شمارہ سنہ ۱۹۸۵ء

معارفِ رضا

مُرتّبین

سیّد ریاست علی قادری
مجید اللہ قادری

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

معارفِ رضا

۱۹۸۵ء

سیّد ریاست علی قادری
پروفیسر مجید اللہ قادری

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کراچی
پاکستان

نام کتاب ——— معارفِ رضا ۱۹۸۵ء

مرتبین ——— سید ریاست علی قادری، پروفیسر مجید اللہ قادری

کتابت ——— محمود احمد ناصر

ناشر ——— ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

اشاعت ——— ایک ہزار

قیمت ———

مطبع ——— احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد کراچی ۱۹

ملنے کے پتے

مکتبہ رضویہ۔ آرام باغ روڈ۔ کراچی

مکتبہ قادریہ۔ لوہاری گیٹ۔ لاہور

ماڈرن بک ڈپو۔ آب پارہ۔ اسلام آباد

اظہارِ تشکّر

ادارہ جناب حمید اللہ قادری صاحب کا بیحد ممنون و شکر گزار ہے جنہوں نے مجلّہ "معارفِ رضا" کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں بھرپور مالی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالےٰ اُن کی اس خدمت کو منظور و مقبول فرمائے۔ آمین۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اداریہ

بحمد للہ مجلہ "معارف رضا" کا پانچواں شمارہ ۱۹۸۵ء آپ کے زیر مطالعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس نے ہمیں توفیق بخشی اور ہم اس قابل ہو سکے کہ معارف رضا اپنی سابقہ روایات اور آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آیا۔

ہم نے اس مجلہ کو بہتر سے بہتر اور معیاری بنانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اگر قارئین نے اسے پسند کیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری سعی و کوشش بارآور ثابت ہوئی۔ معارف رضا میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ مضامین عالمانہ اور معیاری ہوں۔ آپ خود دیکھیں گے کہ ان مضامین میں محققین اور دانشوروں نے غیر جانبداری اور علمی دیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے امام احمد رضا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ حالانکہ فی زمانہ ایسے محققین اور دانشوروں کی کمی ہے جو تعصب اور جانبداری سے بالاتر ہو کر حقیقت اور سچائی کا پرچار کرنا اپنا فرض اوّلین سمجھتے ہیں۔ انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ آج کے اس پرفتن دور میں ایسے دانشوروں کا فقدان نہیں جو حقیقت کو پیش کرنے میں کسی دباؤ میں نہیں آتے اور وہی کچھ کہتے ہیں جو وہ دلائل و شواہد کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

وقت کا یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ بعض محققین و مورخین حقائق سے منہ موڑ کر محض اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کے غیر اخلاقی انداز کے سہارے شخصیات کو اپنی جولانئ قلم کی جنبش سے کسی خاص مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ محدود مطالعہ، سہل نگاری، کج نظری اور فکر و فہم کی کوتاہی کے سبب جب وہ صرف اپنی عقیدت و مزاج کو بنیاد بنا کر تحقیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو در حقیقت وہ حقیقت و سچائی سے کوسوں دور رہ جاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی حقائق و شواہد سے روگردانی کی گئی۔ دلائل سے انحراف کیا گیا۔ تاریخ میں جھوٹے، سُنے سنائے اور تعصّب سے پُر خیالات بھرنے کی کوشش کی گئی۔ تحقیقی معیار سے رخ موڑا گیا اور محض تقلید کا سہارا لیا گیا تو وہ شخصیات جن پر تحقیق کرنا مقصود تھا کچھ سے کچھ نظر آنے لگیں۔ بڑے بڑے محققین کو دیکھ لیجئے کہ انہوں نے جو کچھ واقعات سُنے تھے وہی بلا کم و کاست نقل کر دے۔ انہوں نے اسباب پر غور و فکر کرنے کے بجائے بے بنیاد اڑائی ہوئی شر انگیز اور من گھڑت باتوں پر یقین کر کے تاریخ میں اس طرح گڈمڈ کر دیا کہ سچائی اور جھوٹ میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔ انہوں نے تاریخ میں اوہام و غلط خیالات بھر دیئے اور کمزور منقولہ اور خود تراشیدہ روایات کے خوبصورت حاشیئے چڑھا دیئے۔ حق کو دبانے کی بھرپور کوششیں کی گئیں پھر بعد میں آنیوالے ان ہی کے بناتے ہوئے راستے پر چل پڑے اور لکیر کے فقیر بن گئے اور صرف تقلید ہی محققین کی طبیعتوں میں راسخ ہوگئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام الناس ہی نہیں بلکہ خواص بھی حقیقت سے ناآشنا ہو گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض اہل علم و دانش بھی تذبذب

کا شکار ہوکر الجھنوں میں گھر گئے۔ لیکن حق ایسا نہیں کہ اسے کسی طرح دبایا جاسکے۔ اس پُر آشوب زمانے میں جہاں علم و فن کو چند سکوّں کے عوض خرید لیا جاتا ہے۔ جہاں اہل علم وفضل کے قلم برسر عام نیلام ہو جاتے ہیں، جہاں محققین کی فہم وفراست باآسانی بک جاتی ہے اور جہاں فکر و دانش اور جودت طبع کا سستا سودا ہوجاتا ہے۔ وہاں علم و بصیرت، امانت و دیانت سے لیس حقیقت وسچائی کے پرستاروں اور پاسداروں کا ایک ایسا طبقہ بھی ہمہ وقت موجود ہے جن کے پائے ثبات میں نہ تو لغزش آتی ہے اور نہ ہی اُن کی فکر و رسا کو خریدا جاسکتا ہے۔ یہی اہل علم و فن میدانِ عمل میں آکر حقیقت کے اُن گوشوں کو اجاگر کرتے ہیں جن پر زمانے کے بےرحم ہاتھوں نے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں۔ یہی وہ حق پرست ہیں جو حقیقت وسچائی کی تلاش وجستجو میں ہمہ تن، ہمہ وقت مصروف رہتے ہوئے اپنی تحقیق کے پاک وصاف نتائج کو دنیائے علم وبصیرت کے سامنے پیش کرتے ہیں یہی وہ صاحب کردار اور صاحب دل قلمکار ہیں جو علم کے سمندر میں غوطہ لگاکر کھوٹے اور کھرے کو پہچان لیتے ہیں یہی وہ علم دوست دانشور ہیں جن پر زمانہ ناز کرتا ہے۔ یہ معزز حضرات چونکہ اہل علم وقلم کے لئے ٹھوس، علمی وتحقیقی مواد مہیا کرتے ہیں اور آنے والے محققین کی راہیں متعیّن کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی تحریروں سے قوموں کی صحیح راہنمائی کریں اور پھر یہی تحریریں قوموں کا مزاج بنانے میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہیں اس لئے ان ہی کے عطاکردہ اصولوں پر معاشرے کی تشکیل کا بڑی حد تک دارومدار ہوتا ہے۔ محققین کی یہی جماعت عقیدت سے ہٹ

کر حقیقت کو مشعل راہ بنا کر آگے بڑھتی ہے اور آنے والے محققین کے لئے اُن کے افکار و خیالات منارۂ نور کا کام دیتے ہیں۔

بڑے دُکھ اور افسوس کی بات ہے کہ ان حقیقت پسند محققین کو چھوڑ کر اکثر اہل علم و فن ایک غیر شعوری غلطی کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ اُس زمانے کے حالات و عوامل کو اپنے زمانے کے حالات و عوامل سے تولتے ہیں اور یہ جاننے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے کہ زمانہ ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے۔ عاقل و عالم وہی ہے جو گزرے زمانے کے حالات و واقعات کا اگر تجزیہ کر رہا ہے تو اپنے آپ کو اُس گزرے زمانہ کا ایک فرد سمجھ کر اس میں گم ہو جائے اور پھر کوئی فیصلہ کرے۔ یہ فیصلہ حقیقت سے قریب تر بھی ہوگا اور دیانت و امانت کا مظہر بھی۔ اس لئے آنیوالے اہل قلم اس فیصلے کی روشنی میں آگے بڑھ سکیں گے اور پھر لوگوں کو حقیقت سے آگاہی ہوگی۔

آیئے اب میں آپ کو ایک ایسی ہی عظیم عبقری اور نابغہ روزگار شخصیت کے بارے میں بتاؤں جس کو بدنام کرنے میں بعض ناقدین نے تعصب، جانب داری اور محض تقلید کو بنیاد بنا کر تحقیق و تاریخ سے نہ صرف مذاق کیا بلکہ تحقیق کے مقدس فن کے چہرے کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ ان مذموم حرکات سے اُس عبقری اور صاحب کردار ہستی کا تو کچھ نہ بگڑ سکا۔ البتہ بعض اہل علم و فن تذبذب کا شکار ضرور ہوگئے۔ حق بہر حال حق ہے لہٰذا دنیا نے دیکھ لیا کہ جس عظیم المرتبت ہستی پر کیچڑ اچھالا گیا وہ بفضلہٖ تعالیٰ صاف و شفاف موتی کی طرح نکھر کر سامنے آئی اور پہلے سے کہیں زیادہ جاذب نظر آنے لگی۔ میری مراد اس

صدی کے مجدد۔ امام اہلسنت۔ سرتاج الفقہا، امام المحدثین، عالم باعمل، صوفئ باصفا اعلحضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ سے ہے۔ بڑی خوش آئند بات ہے کہ حق وسچائی کے متوالوں نے چاہے اُن کا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو اپنی تحقیق وجستجو کے دامن کو داغدار ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے حقیقت کا کھوج لگانے میں اپنا علمی بھرم بھی داؤ پر لگانے سے دریغ نہیں کیا۔ یہی وہ عظیم محققین ودانشور ہیں جنہوں نے حقیقت کی تلاش میں بڑی قربانیاں دیں۔ حق کہنا۔ اُس پر قائم رہنا اور اُسی کی خاطر اپنا قلم، فکر وفہم اور اپنی توانائیاں صرف کرنا اُن کی فطرت میں شامل ہے اس لئے وہ ظاہری نمود ونمائش سے بالاتر ہوکر اور دنیاوی آرام وآسائش سے بے پرواہ علمی وتحقیقی جہاد میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب پچھلے پندرہ برسوں سے امام احمد رضا پر تحقیق کر رہے ہیں اور اب تک درجنوں کتابیں اور سینکڑوں مقالات منظر عام پر لاچکے ہیں ان ہی محققین ودانشوروں کی صف اوّل میں شمار کئے جاسکتے ہیں جو کسی حال حقیقت سے روگردانی نہیں کرسکتے۔ پروفیسر صاحب کی شخصیت اہل علم وفن کے لئے مثالی حیثیت رکھتی ہے۔ اُن کا قلم بہت محتاط، حقیقت سے قریب تر اور دلائل وشواہد کے انبار سے پوری طرح لیس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا خان پر ان کی تحقیق کا تمام طبقہ ہائے فکر میں بڑا ہی احترام کیا جاتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے خاص طور پر امام احمد رضا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر قلم اٹھانے سے پہلے بڑے پاپڑ بیلے ہیں۔ وہ حقیقت کا کھوج لگانے برسوں امام احمد رضا کی

تصنیفات و تالیفات سے استفادہ کرنا چاہتے تھے لیکن افسوس کہ امام احمد رضا کی ایک ہزار سے زائد کتب جو پچپن علوم و فنون پر محیط ہیں ہم ان میں سے ایک چوتھائی بھی شائع نہ کر سکے ۔

باوجود اس کے امام احمد رضا کی تمام کتب ابتک منصۂ شہود پر نہیں آئی ہیں لیکن اب تک ان کی جن کتب سے استفادہ کیا گیا تو محققین کو یہ جان کر حیرت ہوتی کہ امام احمد رضا نے تن تنہا وہ کام کیا جو ایک تحقیقی ادارہ کا کام تھا۔ آج جبکہ دانشوروں نے امام احمد رضا کی چند ہی کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے خیالات میں زبردست انقلاب آیا ہے اور وہ یہ کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ امام احمد رضا جیسا عبقری کہیں صدیوں میں پیدا ہوتا ہے ۔

کاش ہم امام احمد رضا کی کتب کی اشاعت کا انتظام کر سکتے۔ غیروں سے کیا شکوہ ہم عقیدت مندان اعلیٰحضرت امام احمد رضا نے جو ظلم کیا اُس سے بیگانے بھی تڑپ اٹھے ۔ ہمارا فرض تھا کہ ہم ان کے علمی کارناموں کو منظر عام پر لاکر انہیں عالم اسلام اور دنیائے علم و ادب میں متعارف کراتے۔ ان کی کتب کو شائع کر کے دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیتے لیکن افسوس ہماری عقیدت مندی چند رسوم سے آگے نہ بڑھ سکی۔ ایک طرف ہماری سرد مہری کا یہ عالم کہ امام احمد رضا پر کتابیں لکھنا تو درکنار خود ان کی بیشتر کتابیں اب تک زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکیں ۔

پچھلے پندرہ بیس برسوں میں امام احمد رضا پر جو تھوڑا بہت کام ہوا ہے اس کے اثرات اب کالجوں اور یونیورسٹیوں میں محسوس کئے جا رہے ہیں سلام ہے حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہٗ پر جنہوں نے امام احمد رضا کو علمی

حلقوں میں روشناس کرانے میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصّہ لیا اور امام احمد رضا کی دھوم دنیائے علم و ادب میں مچادی۔ سلام ہے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب پر جنہوں نے تحقیق کا حق ادا کر کے امام احمد رضا کو جدید دنیا میں متعارف کرایا۔ سلام ہے اُن محققین و مصنفین پر جو امام احمد رضا پر تحقیق کر رہے ہیں اور ان پر مضامین و مقالات لکھ کر علم کی زبردست خدمت کر رہے ہیں۔ سلام ہے اُن دینی و اشاعتی اداروں پر جو امام احمد رضا کے علمی و دینی کارناموں کو منظرِ عام پر لانے میں دن و رات کوشاں ہیں۔ سلام ہے حضرت علامہ شمس بریلوی پر جنہوں نے مجموعہ نعت حدائق بخشش پر ادبی و تحقیقی جائزہ پیش کر کے امام احمد رضا کی شاعری پر اب تک لکھی جانے والی کتب میں اولیت کا درجہ حاصل کیا۔

آخر میں ادارہ اپنے اُن تمام مخلصین و معاونین کا بیحد ممنون و شکر گزار ہے جنہوں نے وقت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ ادارہ خصوصیت سے جناب حمید اللہ قادری صاحب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے معارفِ رضا کی طباعت و اشاعت اور اسکو منظرِ عام پر لانے کے سلسلے میں بھر پور مالی و اخلاقی تعاون فرمایا۔ ادارہ جناب عبداللطیف قادری صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہے جو ہمیشہ کی طرح ابھی ادارہ کی مالی اور اخلاقی سرپرستی فرمانے میں پیش پیش ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کی خدمات جلیلہ کو قبول و منظور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

فہرست

امام احمد رضا خان بریلوی

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیِ دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب پڑے محشر میں شورِ دار و گیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی سرد مہری پر ہو جب خورشیدِ حشر
سیدِ بے سایہ کے ظلِ لوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوشِ خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
ان تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو

یا الٰہی رنگ لائیں جب مری بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب حسابِ خندہ بیجا رلائے
چشمِ گریانِ شفیعِ مرتجیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلِّم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لب سے آمین ربنا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

پل سے اتارو راہ گذر کو خبر نہ ہو　　جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

کانٹا مرے جگر سے غم روزگار کا　　یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

فریاد اُمتی جو کرے حال زار میں　　ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

کہتی تھی یہ براق سے اسکی سبک روی　　یوں جائیے کہ گرد سفر کو خبر نہ ہو

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردار دو جہاں　　اے مرتضیٰ عتیق و عمر کو خبر نہ ہو

ایسا گما دے ان کی ولا میں خدا ہمیں　　ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو

آدل حرم کو روکنے والوں سے چھپکے آج　　یوں اُٹھ چلیں کہ پہلو و بر کو خبر نہ ہو

طیر حرم ہیں یہ کہیں رشتہ بپا نہ ہو　　یوں دیکھئے کہ تار نظر کو خبر نہ ہو

اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے　　یوں دل میں کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اے شوقِ دل یہ سجدہ گر انکو روا نہیں　　اچھا وہ سجدہ کیجئے سر کو خبر نہ ہو

ان کے سوا رضاؔ کوئی حامی نہیں جہاں
گزرا کرے پسر پہ پدر کو خبر نہ ہو

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضا
کے
ماہ و سال

نمبر	واقعہ	تاریخ
۱	ولادت باسعادت	۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ / ۱۴ جون ۱۸۵۶ء
۲	ختم قرآن کریم	۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء
۳	پہلی تقریر	ربیع الاول ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء
۴	پہلی عربی تصنیف	۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء
۵	دستارِ فضیلت	شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء (بعمر تیرہ سال، دس ماہ، پانچ دن)
۶	آغاز فتویٰ نویسی	۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۷	آغاز درس و تدریس	۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء
۸	ازدواجی زندگی	۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء
۹	فرزند اکبر مولانا محمد حامد رضا خاں کی ولادت	ربیع الاول ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
۱۰	فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت	۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء
۱۱	بیعت و خلافت	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء
۱۲	پہلی اردو تصنیف	۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء

واقعہ	تاریخ
پہلا حج اور زیارت حرمین شریفین	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۴۔ شیخ احمد بن زینی بن دحلان مکی سے اجازت حدیث	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۵۔ مفتی مکہ شیخ عبد الرحمٰن سراج مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۶۔ شیخ عابد السندی کے تلمیذ رشید امام کعبہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکی سے اجازتِ حدیث	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۷۔ احمد رضا کی پیشانی میں شیخ موصوف کا مشاہدۂ انوارِ الٰہیہ	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۸۔ مسجد خیف (مکہ معظمہ) میں بشارتِ مغفرت	۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء
۱۹۔ زمانۂ حال کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ	۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء
۲۰۔ تحریکِ ترکِ گاؤکشی کا سدِّ باب	۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء
۲۱۔ پہلی فارسی تصنیف	۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء
۲۲۔ اردو شاعری کا شاہکار قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف	قبل ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء
۲۳۔ فرزندِ اصغر مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا خان کی ولادت	۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء
۲۴۔ ندوۃ العلماء کے جلسۂ تاسیس (کانپور) میں شرکت	۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء
۲۵۔ تحریک ندوہ سے علیحدگی	۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
۲۶۔ مقابر پر عورتوں کے جانے کی ممانعت میں فاضلانہ تحقیق	۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء
۲۷۔ قصیدۂ عربیہ امال الابرار و آلام الاشرار	۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء
۲۸۔ ندوۃ العلماء کے خلاف ہفت روزہ اجلاس پٹنہ میں شرکت	رجب ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء
۲۹۔ علماء ہند کی طرف سے خطاب مجدد مائۃ حاضرہ	۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء

۳۰۔ تاسیس دارالعلوم منظرِ اسلام بریلی — سنہ ۱۳۲۲ھ / سنہ ۱۹۰۳ء

۳۱۔ ردِ سراج اور زیارت حرمین شریفین — سنہ ۱۳۲۳ھ / سنہ ۱۹۰۵ء

۳۲۔ امام کعبہ شیخ عبداللہ میرداد اور ان کے استاد شیخ حامد احمد محمد
جدادی مکی کا مشترکہ استفتاد اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب — سنہ ۱۳۲۴ھ / سنہ ۱۹۰۶ء

۳۳۔ علماء مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے نام سندات اجازت و خلافت — سنہ ۱۳۲۴ھ / سنہ ۱۹۰۶ء

۳۴۔ کراچی آمد اور مولانا محمد عبدالکریم درس سندھی سے ملاقات — سنہ ۱۳۲۴ھ / سنہ ۱۹۰۶ء

۳۵۔ احمد رضا کے عربی فتوے کو حافظ کتب الحرم سید اسمٰعیل خلیل مکی
کا زبردست خراجِ عقیدت — سنہ ۱۳۲۵ھ / سنہ ۱۹۰۷ء

۳۶۔ شیخ ہدایت اللہ بن محمد بن محمد سعید السندی مہاجر مدنی کا
اعترافِ مجددیت — ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء

۳۷۔ قرآن کریم کا اردو ترجمہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن — سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء

۳۸۔ شیخ موسیٰ علی الشامی الازہری کی طرف سے خطاب
" امام الائمۃ المجدد لہذہ الامۃ " — یکم ربیع الاول سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء

۳۹۔ حافظ کتب الحرم سید اسمٰعیل خلیل مکی کی طرف سے
خطاب " خاتم الفقہاء والمحدثین " — سنہ ۱۳۳۰ھ / سنہ ۱۹۱۲ء

۴۰۔ علم المربعات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے مطبوعہ سوال
کا فاضلانہ جواب — قبل سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء

۴۱۔ ملتِ اسلامیہ کے لیئے اصلاحی اور انقلابی
پروگرام کا اعلان — سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء

۴۲۔ بہاول پور ہائی کورٹ کے جسٹس محمد دین کا استفتاد
اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب — ۲۳ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء

۴۳۔ مسجد کانپور کے تصفیے پر برطانوی حکومت سے معاہدہ
کرنے والوں کے خلاف ناقدانہ رسالہ — سنہ ۱۳۳۱ھ / سنہ ۱۹۱۳ء

۴۴۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) کی آمد اور استفادۂ علمی — مابین ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۴ء اور ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء

۴۵۔ انگریزی عدالت میں جانے سے انکار اور حاضری سے استثناء — ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

۴۶۔ صدر و الصدور صوبہ جات دکن کے نام ارشاد نامہ — ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء

۴۷۔ تاسیس جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی — تقریباً ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء

۴۸۔ مسجد تعظیمی کی حرمت پر فاضلانہ تحقیق — ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء

۴۹۔ امریکی ہیاۃ داں پروفیسر البرٹ الیف پورٹا کو شکست فاش — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء

۵۰۔ آئزک نیوٹن اور آئین اسٹائن کے نظریات کے خلاف فاضلانہ تحقیق — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

۵۱۔ ردِّ حرکت زمین پر فاضلانہ تحقیق — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

۵۲۔ فلاسفۂ قدیمہ کا ردِّ بلیغ — ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

۵۳۔ دو قومی نظریہ پر حرفِ آخر — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۴۔ تحریکِ خلافت کا افشائے راز — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۵۔ تحریک ترکِ موالات کا افشائے راز — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۶۔ انگریزوں کی معاونت اور حمایت کے الزام کے خلاف تاریخی بیان — ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء

۵۷۔ وصال — ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء

۵۸۔ مدیر پیسہ اخبار لاہور کا تعزیتی نوٹ — یکم ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ / ۲ نومبر ۱۹۲۱ء

۵۹۔ سندھ کے ادیب شہیر سرشار عقیلی تتوی کا تعزیتی مقالہ — سنہ ۱۳۴۱ھ / ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء
۶۰۔ بمبئی ہائی کورٹ کے جسٹس ڈی۔ ایف ملّا کا خراجِ عقیدت — سنہ ۱۳۴۹ھ / سنہ ۱۹۳۰ء
۶۱۔ شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا خراجِ عقیدت — سنہ ۱۳۵۱ھ / سنہ ۱۹۳۲ء

شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل علیہ الرحمتہ (حافظ کتب الحرام۔ مکہ معظمہ)

امام احمد رضا کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں

"اور میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے، مناقب و مفاخر والا۔ اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لیئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ مولانا احمد رضا خاں احسان والا، پروردگار اسے سلامت رکھے تاکہ وہ (مخالفین) کی بے ثبات حجتوں کا آیاتِ قرآنیہ اور قطعی احادیث سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علماء مکہ اس کے لیئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بے شک حق و صحیح ہے۔"

اعلیٰحضرت کا ایک غیر مطبوعہ خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرم مولوی قاضی غلام یٰسین صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ لطف نامہ تشریف لایا ممنون فرمایا یاد آوری فرمایا
مولانا زمانہ غربت اسلام ہے بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبیٰ للغرباء
غربت کیلئے کس درجہ بیکسی لازم ہے سنیوں میں عوام کی توجہ لہو ولعب دنیوی کیطرف منہمک
ہو بدمذہب رافضی ہوں یا وہابی یا قادیانی یا آریہ یا نصاریٰ سب اپنے اپنے
مذہب کی نصرت وحمایت واشاعت دین کمربستہ ہیں مال سے اعمال سے اقوال
سے سنیوں کو کوئی پوچھتا ہے وقت ہے شیوع ضلالت کا ہے انکو اگر کوئی آگاہ بھی
کیجے جاہلوں سے بدتر ہیں ماں باپ کو گالی دیکر اسکے فخر کرتے ہیں اور ہر وقت
تہذیب بالائے طاق رہتی ہے ساری تہذیب اللہ عزوجل اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے مقابل برتی جاتی ہے کہ انکو منہ بھر کر گالیاں دیں دلمیں لکھ کر چھاپیں
ودیدہ چھاپتے ہیں بکتے ہیں ان بکنے والوں کا نام ذرا بے تعظیمی سے لیا اور نامہذب
ودرشت گو کا خلعت عطا ہوا یہ حالت ایمان ہے انا للہ وانا الیہ راجعون
السویٰ کے نزدیک تو معاذ اللہ قرآن عظیم بھی نامہذب ہے ولا تطع کل حلاف

همّاز مشّاء بنميم منّاع للخير معتد اثيم عتل بعد ذلك زنيم يا ايها النبي جاهد الكفار والمنفقين واغلظ عليهم۔ و قاتلوا الذين يلونكم من الكفار وليجدوا فيكم غلظة ودوا لو تدهن فيدهنون ولا تاخذكم بهما رافة في دين الله تقربوا الى الله ببغض اہل المعاصی والقوہم بوجوہ مکفہرۃ بات یہ ہے کہ اللہ و رسول کی عزت قلوب میں بہت کم ہو گئی ہے ماں باپ سسر کی شان سے دل کو درد پہنچتا ہے تہذیب بالائے طاق رہتی ہے نہ اس وقت اخوت و اتحاد کا سبق یاد رہے کہ اللہ و رسول پر جو گالیاں برستی ہیں اور سے دل پر میل بھی نہیں آتا مگر نیچری تہذیب آڑے آتی ہے اللہ اسلام اور مسلمانوں کو توفیق خیر عطا فرمائے وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون مہر انور جگا ترجمہ ہے وہ فقہ اکبر نہیں ایک نامعتبر رسالہ مولوی صاحب مرحوم کو ملا لگ گیا تھا فقہ اکبر وہ ہے جس کی شرح علی قاری و بحر العلوم و ابو المنتہی وغیرہم کی فقیر کی چار سو تصانیف میں سے ایک یہ بھی ہے سو بھی طبع ہو گئیں انہیں دیکھی

ہیں جو اس ضرورت کو بادنیٰ توجہ پورا کرنیوالی ہیں جسکی طرف آپنے اشارہ کیا
طبع فتاوی کا سلسلہ بعونہ تعالیٰ پھر شروع ہو گیا ہے وحسبنا اللہ ونعم الوکیل
تار کی خبر پر افطار حرام محض ہے افطار بالتحری تحری غروب میں ہے نہ کہ تحری ہلال
ہلال میں تو یہ ارشاد ہے کہ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ اور صاف ارشاد ہے
کہ ان اللہ مدہ للرؤیۃ آجتک تمام جہان میں کوئی اسکا قائل نہیں
ہوا کہ ثبوت ہو نہ شہادت تحری کا کرکے عید کر لیں جاء واحد من خارج
المصر پر اسکا قیاس محض جہل ہے اس رسالہ کے مصنف کون بزرگ
ہیں فقیر کو نہیں معلوم ہوا مگر تار پر افطار کا حکم اختراع فی الدین ہے مدت ہوئی
کلکتہ میں ایک فتوی میرا اس بارہ میں طبع ہوا تھا ایک ہی نسخہ اسکا
باقی ہے حاضر کرتا ہوں رسید و خیریت سے مطلع فرمائیے والسلام
فتوی اب رہا نہیں رسالہ جب طبع ہو تو اوسمیں اسے بھی شامل کر دیں
اوسمیں اور کلکتہ کی مہریں بھی ہیں فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ
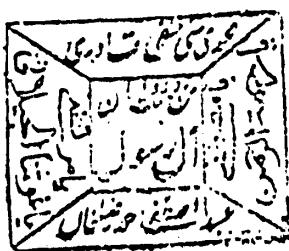
امام احمد رضاؒ فاضل بریلوی

شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و حدیث کی روشنی میں

الحمد للہ البصیر السمیع والصلاۃ والسلام علی البشیر الشفیع وعلی آلہ وصحبہ کل ساروطیع۔
سبحان اللہ ایسے سوال سن کر کتنا تعجب آتا ہے کہ مسلمان و مدعیان سنیت ا
ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت یہ بھی قرب قیامت کی ایک علامت ہے
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احادیث شفاعت بھی ایسی چیز ہیں جو کسی طرح چھپ سکیں بیسیوں صحابہ صدہا تابعین ہزارہا محدثین اُن کے راوی حدیث کی ہرگونہ کتابیں صحاح سنن۔ مسانید۔ معاجیم۔ جوامع۔ مصنفات اُن سے مالامال اہل سنت کا ہر متنفس یہاں تک کہ زنان و اطفال بلکہ دہقانی جاہل بھی اس عقیدے سے آگاہ خدا کا دیدار محمد کی شفاعت ایک ایک بچے کی زبان پر جاری صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرف ومجدد کرم فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے رسالہ سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ میں بہت کثرت سے ان احادیث کی جمع و تلخیص کی یہاں بہ نہایت اجمال

صرف چالیس حدیثوں کی طرف اشارت اور اُن سے پہلے چند آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہوں۔

آیت اولیٰ۔ قال اللہ تعالیٰ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا ترجمہ ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں بھیجے صحیح بخاری شریف میں ہے حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی مقام محمود کیا چیز ہے فرمایا ھو الشفاعۃ وہ شفاعت ہے۔ آیت ثانیہ۔ قال اللہ تعالیٰ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ اور قریب ہے تجھے تیرا رب اتنا دیگا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ دیلمی مسند الفردوس میں امیرالمومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی جب یہ آیت اتری حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اذن لا ارضی و واحد من امتی من النار یعنی جب اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہونگا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا اللھم صل وسلم و بارک علیہ طبرانی معجم اوسط اور بزار مسند میں اُس جناب مولی المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اشفع لامتی حتی ینادینی ربی ارضیت یا محمد فاقول ای رب رضیت میں اپنی امت کی شفاعت کرونگا یہاں تک کہ میرا رب پکاریگا اے محمد تو راضی ہوا میں عرض کرونگا اے رب میرے میں راضی ہوا

آیت ثالثہ قال اللہ تعالیٰ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنٰت اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کو حکم دیتا ہے کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ۔ اور شفاعت کاہے نام ہے۔ آیت رابعہ قال اللہ تعالیٰ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ○

اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے پاس حاضر ہوں پھر خدا سے استغفار کریں اور رسول اُن کی بخشش مانگے تو بیشک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ گناہ کرکے اس نبی کی سرکار میں حاضر ہو اور اُس سے درخواست شفاعت کرو محبوب تمہاری شفاعت فرمائیگا توہم یقیناً تمہارے گناہ بخشدینگے۔ **آیت خامسہ** قال اللہ تعالےٰ

واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لوّوا روسھم۔ جب اُن منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہاری مغفرت مانگیں تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔ اس آیت میں منافقوں کا حال بد مآل ارشاد ہوا کہ وہ حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت نہیں چاہتے پھر جو آج نہیں چاہتے وہ کل نہ پائیں گے اور جو کل نہ پائیں گے وہ کل نہ پائیں گے۔ اللہ دنیا و آخرت میں اُن کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے ؎

حشر میں ہم بھی سیر دیکھیں گے ✦ منکر آج اُن سے التجا نہ کرے

وصلے اللہ تعالیٰ علےٰ شفیع المذنبین وآلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین۔

الاحادیث

شفاعت کبریٰ کی حدیثیں جن میں صاف صریح ارشاد ہوا کہ عرصات محشر میں وہ طویل دن ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے اور سروں پہ آفتاب اور دوزخ نزدیک اُس دن سورج میں دس برس کامل کی گرمی جمع کریں گے اور سروں سے کچھ ہی فاصلہ پہ لاکر رکھیں گے پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے گرمی وہ قیامت کی کہ اللہ بچائے بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھے گا یہاں تک کہ گلے گلے تک بھی۔ وبچا ہوگا جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں لوگ اُس میں غوطے کھائیں گے

گھبرا گھبرا کر دل حلق تک آجائیں گے لوگ ان عظیم آفتوں میں جان سے تنگ آکر شفیع کی تلاش میں جابجا پھریں گے آدم و نوح خلیل و کلیم و مسیح علیہم الصلاۃ والتسلیم کے حاضر ہوکر جواب صاف سنیں گے سب انبیا فرمائیں گے ہمارا یہ مرتبہ نہیں ہم اس لائق نہیں ہم سے یہ کام نہ نکلے گا نفسی نفسی تم اور کسی کے پاس جاؤ یہاں تک کہ سب کے بعد حضور پُرنور خاتم النبیین سید الاولین والآخرین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا لہا انا لہا فرمائیں گے یعنی میں ہوں شفاعت کے لیے میں ہوں شفاعت کے لیے پھر اپنے رب کریم جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سجدہ کریں گے اُن کا رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائیگا یا محمد ارفع راسك وقل تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع اے محمد اپنا سر اُٹھاؤ اور عرض کرو تمھاری بات سُنی جائے گی اور مانگو کہ تمھیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمھاری شفاعت قبول ہے یہی مقام محمود ہوگا جہاں تمام اولین وآخرین میں حضور کی تعریف وحمد وثنا کا غل پڑ جائے گا اور موافق ومخالف سب پر کھل جائیگا بارگاہ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں اور ملک عظیم جل جلالہ کے یہاں جو عظمت ہمارے مولے کے لیے ہے کسی کے لیے نہیں والحمد للہ رب العلمین۔ اسی کے لیے اللہ تعالے اپنی حکمت کاملہ کے مطابق لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ پہلے اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے پاس جائیں اور وہاں سے محروم پھر کر ان کی خدمت میں حاضر آئیں تاکہ سب جان لیں کہ منصب شفاعت اسی سرکار کا خاصہ ہے دوسرے کی مجال نہیں کہ اس کا دروازہ کھول سکے والحمد للہ رب العالمین۔

یہ حدیثیں صحیح بخاری وصحیح مسلم تمام کتابوں میں مذکور اور اہل اسلام میں معروف ومشہور ہیں ذکر کی حاجت نہیں کہ بہت طویل ہیں شک لانے والا اگر دو حرف

بھی پڑھا ہو تو مشکوٰۃ شریف کا اُردو میں ترجمہ منگا کر دیکھ لے یا کسی مسلمان سے کہے
کہ پڑھکر سُنا دے اور انھیں حدیثوں کے آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ شفاعت کرنے
کے بعد حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخشش گناہگاران کے لیے بار
بار شفاعت فرمائیں گے اور ہر دفعہ اللہ تعالےٰ وہی کلمات فرمائے گا اور حضور ہر مرتبہ
بے شمار بندگان خدا کو نجات بخشیں گے میں ان مشہور حدیثوں کے سوا ایک اربعین
یعنی چالیس حدیثیں اور لکھتا ہوں جو گوش عوام تک کم پہنچی ہوں جن سے مسلمان کا
ایمان ترقی پائے منکر کا دل آتش غیظ میں جل جائے بالخصوص جن سے اُس ناپاک
تحریف کا رد شریف ہو جو بعض بد دینوں خدا نا ترسوں ناحق کوشوں باطل کیشوں
نے معنی شفاعت میں کیں اور انکار شفاعت کے چہرۂ نجس چھپانے کو ایک جھوٹی
صورت نام کی شفاعت دل سے گڑھی ان حدیثوں سے واضح ہوگا کہ ہمارے
آقائے اعظم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم شفاعت کے لیے متعین ہیں انھیں کی سرکار
بیکس پناہ ہے اُنھیں کے در سے بے یاروں کا نباہ ہے نہ جس طرح ایک بد مذہب
کہتا ہے کہ جس کو چاہے گا اپنے حکم سے شفیع بنا دے گا یہ حدیثیں ظاہر کریں گی کہ ہمیں
خدا و رسول نے کان کھول کر شفیع کا پیارا نام بتا دیا اور صاف فرمایا کہ وہ محمد رسول اللہ
ہیں صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نہ یہ بات گول رکھی ہو جیسے ایک بدبخت کہتا ہے کہ
اُسی کے اختیار پر چھوڑ دیجیے جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کر دے یہ حدیثیں مژدۂ
جانفزا دیں گی کہ حضور کی شفاعت نہ اُس کے لیے ہے جس سے اتفاقاً گناہ ہو گیا
ہوا ور وہ اُس پر ہر وقت نادم و پشیمان و ترساں و لرزاں ہو جس طرح ایک دزد
باطن کہتا ہے کہ چور پر تو چوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو
اُس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہو گیا سو اُس پر شرمندہ
ہے اور رات دن ڈرتا ہے۔ نہیں نہیں اُن کے رب کی قسم جس نے انھیں شفیع المذنبین

کیا اُن کی شفاعت ہم جیسے روسیاہوں پُر گناہوں سیہ کاروں ستم گاروں کے لیے ہے جن کا بال بال گناہ میں بندھا ہے جن کے نام سے گناہ بھی ننگ و عار رکھتا ہے ع ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من۔ وحسبنا اللہ تعالیٰ ونعم الوکیل والصلوٰۃ والسلام علی الشفیع الجمیل وعلیٰ آلہ وصحبہ بالوف التبجیل والحمد للہ رب العالمین۔

حدیث ۱و۲۔ امام احمد بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور ابن ماجہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں خیرت بین الشفاعۃ وبین ان یدخل شطر امتی الجنۃ فاخترت الشفاعۃ لانہا اعم واکفی اترونہا للمؤمنین المتقین لا ولکنہا للمذنبین الخطائین۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے کیا تم یہ سمجھ لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ وہ اُن گناہ گاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں اللھم صل وسلم وبارک علیہ والحمد للہ رب العالمین **حدیث ۳**۔ ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں شفاعتی للھالکین من امتی میری شفاعت میرے اُن امتیوں کے لیے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا حق ہے اے شفیع میرے میں قربان تیرے صلی اللہ علیک۔

حدیث ۴ تا ۸۔ حضرت داود و ترمذی و ابن حبان و حاکم وبیہقی بافادۂ تصحیح حضرت انس بن مالک اور ترمذی ابن ماجہ ابن حبان و حاکم حضرت جابر بن عبد اللہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس اور خطیب بغدادی

حضرت عبداللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں شفاعتی لاھل الکبائر من امتی میری شفاعت میری امت میں اُن کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔ صلے اللہ تعالیٰ علیک وسلم والحمد للہ رب العالمین۔

حدیث ۹۔ ابوبکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا شفاعتی لاھل الذنوب من امتی میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لیے ہے۔ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی وان زنی وان سرق اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو فرمایا وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی الدرداء اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو برخلاف خواہش ابو درداء کے۔

حدیث ۱۰ و ۱۱۔ طبرانی و بیہقی حضرت بریدہ اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں انی لاشفع یوم القیمۃ لاکثر مما علی وجہ الارض من شجر وحجر ومدر یعنی روئے زمین پر جتنے پیڑ پتھر ڈھیلے ہیں میں قیامت میں اُن سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت فرماؤں گا۔

حدیث ۱۲۔ بخاری مسلم حاکم بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی واللفظ لھذین حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں شفاعتی لمن یشھد ان لا الہ الا اللہ مخلصا یصدق لسانہ قلبہ میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔

حدیث ۱۳۔ احمد طبرانی و بزار حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابو موسے اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالےٰ

علیہ وسلم فرماتے ہیں انہا اوسع لھم ھی لمن مات ولا یشرک باللہ شیئا شفاعت میں اسکے لیے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جسکا خاتمہ ایمان پر ہو حدیث ۱۴ طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالے علیہ وسلم فرماتے ہیں اٰتی جھنم فاضرب بابھا فیفتح لی فادخلھا فاحمد اللہ محامد ما حمدہ احد قبلی مثلہ ولا یحمدہ احد بعدی مثلہ ثم اخرج منھا من قال لا الہ الا اللہ ملخصا میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لیجاؤنگا وہاں خدا کی تعریفیں کرونگا ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لونگا جس نے خالص دل سے لا الہ الا اللہ کہا حدیث ۱۵ حاکم بافادہ تصحیح و طبرانی و بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالے عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالے علیہ وسلم فرماتے ہیں یوضع للانبیاء منابر من ذھب فیجلسون علیھا ویبقی امتی بعدی فاقول یارب امتی امتی فیقول اللہ یا محمد وما ترید ان اصنع بامتک فاقول یارب عجل حسابھم فما ازال حتی اعطی قد بعثت بھم الی النار حتی ان مالکا خازن النار یقول یا محمد ما ترکت لغضب ربک فی امتک من بقیۃ انبیاء کیلیے سونے کے منبر بچھائے جائینگے وہ آپر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی رہیگا کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤنگا بلکہ اپنے رب کے حضور سرو قد کھڑا رہونگا اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہو کہ مجھے جنت میں بھیجدے اور میری امت میرے بعد رہ جائے پھر عرض کرونگا اے رب میرے میری امت میری امت اللہ تعالے فرمائیگا اے محمد تیری کیا مرضی ہے میں تیری امت کیساتھ کیا کروں عرض کرونگا اے رب میرے انکا حساب جلد فرمادے پس میں شفاعت کرتا رہونگا یہاں تک کہ مجھے ان کی رہائی کی چٹھیاں ملینگی جنھیں دوزخ بھیج چکے تھے

یہانتک کہ مالک داروغہ دوزخ عرض کریگا اے محمد آپنے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو
نہ چھوڑا الحمد للہ ذی المن و بارک علیہ والحمد للہ رب العالمین **حدیث ۲۱** بخاری و مسلم
ونسائی حضرت جابر بن عبد اللہ اور احمد بسند حسن اور بخاری تاریخ میں اور بزار و طبرانی و بیہقی
و ابو نعیم حضرت عبد اللہ ابن عباس اور احمد بسند حسن و بزار بسند جید و دارمی و ابن شیبہ و
ابو یعلی و ابو نعیم و بیہقی حضرت ابو ذر اور طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن حضرت ابو سعید خدری اور
کبیر میں حضرت سائب بن یزید اور احمد باسناد حسن اور ابن شیبہ و طبرانی حضرت ابو موسی اشعری
رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی واللفظ لجابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم اعطیت ما لم یعطہن احد قبلی الی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واعطیت
الشفاعۃ ان جیوں حدیثوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فرماتے ہیں میں شفیع مقرر کردیا گیا اور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی میرے سوا کسی نبی کو یہ منصب
نہ ملا **حدیث ۲۲ و ۲۳** - ابن عباس و ابو سعید و ابو موسی سے انھیں حدیثوں میں وہ مضمون
بھی ہے جو احمد و بخاری و مسلم نے انس اور شیخین نے ابو ہریرہ سے روایت کیا رضی اللہ عنہم اجمعین
کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان لکل نبی دعوۃ قد دعا بہا فی امتہ
واستجیب لہ وھذا اللفظ لانس ولفظ ابی سعید - لیس من نبی الا وقد اعطی دعوۃ فتعجلہا ولفظ
[illegible] لم یبق نبی الا اعطے لہ رجعنا الی لفظ انس والفاظ الباقین کمثلہ معنے قال وانی
اختبأت دعوتی شفاعۃ لامتی یوم القیمۃ (زاد ابو موسی) جعلتہا لمن مات من امتی لا یشرک باللہ
شیئا یعنی انبیا علیہم الصلوۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر ایک دعا انھیں خاص جناب باری
تبارک و تعالیٰ سے ملتی ہے کہ جو چاہو مانگ لو بیشک دیا جائیگا تمام انبیا آدم سے عیسی تک علیہم الصلوۃ والسلام
سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کرچکے اور میں نے آخرت کیلیے اٹھا رکھی وہ میری شفاعت ہے میری امت کیلیے
قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کیلیے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھے اللہم ارزقنا بجاھہ
عندک آمین آمین اللہ اکبر اے گناہگاران امت کیا تم نے اپنے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ
کمال رافت و رحمت اپنے حال پر نہ دیکھی کہ بارگاہ الٰہی عز جلالہ سے تین سوال حضور کو ملے کہ جو چاہیے مانگ لو

عطا ہوگا حضور نے انمیں کوئی سوال اپنی ذات پاک کیلیے نہ رکھا سب امت ہی کے کام میں صرف فرمائے دو سوال دنیا میں کیے وہ بھی ہمارے ہی واسطے تیسرا آخرت کو اٹھا رکھا وہ ہماری اس عظیم حاجت کیواسطے جب اس مہربان مولی رؤف ورحیم انا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا نہ بگڑی بنانے والا نہوگا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حق فرمایا حضرت حق عزوجل نے عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم ۝ واللہ العظیم قسم اسکی جس نے انھیں آپ پر مہربان کیا کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں جسقدر وہ اپنے ایک امتی پر مہربان ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الہی تو ہمارا عجز وضعف اور انکے حقوق عظیمہ کی عظمت جانتا ہے ای قادر اے واجد اے ماجد ہماری طرف سے انپر اور انکی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو انکے حقوق کو وافی ہوں اور انکی رحمتوں کو مکافی اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلی آلہ وصحبہ قدر رأفتہ ورحمتہ بامتہ وقدر رأفتک ورحمتک بہ آمین آمین الہ الحق آمین سبحان اللہ امتیوں نے انکی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضلیت میں تشکیکیں نکالتا ہے کوئی انکی شفاعت میں شبہہ ڈالتا ہے کوئی انکی تعریف اپنی سی جانتا ہے کوئی انکی تعظیم پر بگڑ کر آتا ہے افعال محبت کا بدعت نام اجلال وادب پر شرک کے احکام انا للہ وانا الیہ راجعون وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم **حدیث ۲۴** صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالی نے مجھے تین سوال عطا فرمائے میں نے دو بار تو دنیا میں عرض کرلی اللھم اغفر لامتی اللھم اغفر لامتی الہی میری امت کی مغفرت فرما الہی میری امت کی مغفرت فرما واخرت الثالثۃ لیوم یرغب الی فیہ الخلق حتی ابراھیم اور تیسری عرض اسدن کیلیے اٹھا رکھی جسمیں تمام مخلوق الہی میری طرف نیازمند ہوگی یہانتک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام وصل وسلم وبارک علیہ والحمد للہ رب العلمین **حدیث ۲۵** بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے شب اسرا اپنے رب سے عرض کی تو نے انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے رب عز مجدہ نے فرمایا اعطیتک خیرا من ذلک ان

قولہ) خبأت شفاعتك ولم اخبأها النبی غیرك میں نے تجھے عطا فرمایا وہ ان سب سے بہتر ہے
ہی تیرے لیے شفاعت چھپا رکھی اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی **حدیث ۲۶** ابی شیبہ و ترمذی بافادہ
تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی حضور شفیع
المذنبین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں واذا کان یوم القیمۃ کنت امام النبیین وخطیبھم
وصاحب شفاعتھم غیر فخر قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا
اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا **حدیث ۲۷ تا ۴۰** ابن منیع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ
صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے راوی حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں شفاعتی
یوم القیمۃ حق فمن لم یؤمن بہا لم یکن من اھلھا میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر
ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا منکر مسکین اس حدیث متواتر کو دیکھے اور اپنی جان پر
رحم کرکے شفاعت مصطفے صلے اللہ تعالے علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اللھم انك
تعلم انك ھدیت فامنا بشفاعۃ حبیبك محمد صلی اللہ
تعالی علیہ وسلم فاجعلنا من اھلھا فی الدنیا و
الاخرۃ یا اھل التقوی واھل المغفرۃ واجعل
اشرف صلواتك وانمی برکاتك وازکی تحیاتك
علی ھذا الحبیب المجتبی والشفیع المرتجی
وعلی الہ وصحبہ دائما ابدا امین
امین یا ارحم الراحمین
والحمد للہ رب
العلمین

٥ ٥ ٥
٥

تقریر :- پروفیسر محمد طاہر القادری
تلخیص :- پروفیسر مجید اللہ قادری

کنز الایمان کا اردو تراجم میں مقام

قرآن کریم کے ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے اور بغیر کسی تعصب اور کسی مخصوص وابستگی کہ یہ حقیقت واضح کرنا چاہوں گا کہ مولانا امام احمد رضا خان کے کئے ہوئے ترجمے کنز الایمان کو تمام تراجم میں جو شاہ رفیع الدین کے دور سے لے کر آج تک کے دور میں چلے آئے ہیں اس قرآنی ترجمے کو چھ اعتبارات سے منفرد اور ممتاز پایا گو اس کے علاوہ بھی کئی اعتبارات ہو سکتے ہیں لیکن یہاں کنز الایمان کے ۶ ممتاز اور منفرد پہلوؤں کا ذکر کروں گا جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پہلا پہلو : کنز الایمان کے امتیاز اور شرف و کمال اور اس کا اسلوب ترجمہ ہے

(۲) دوسرا پہلو : اس ترجمہ کا انداز بیان ہے۔

(۳) تیسرا پہلو : اس ترجمہ کا اس کی جامعیت، معنویت، مقصدیت ظاہر کرتا ہے

(۴) چوتھا پہلو : قرآن کریم کے صوتی حسن اس کی سلاست و ترنم و نغمگی کو ترجمہ میں برقرار رکھا ہے۔

(۵) پانچواں پہلو : اس ترجمہ کا فہم و تدبر ہے

(۶) چھٹا پہلو : اس ترجمہ میں ادب الوہیت اور ادب رسالت کا دامن کہیں سے بھی علیحدہ نہیں ملتا۔

کنز الایمان کا پہلا امتیازی پہلو : اسلوب ترجمہ | پاک و ہند میں اردو زبان میں ترجمے کے دو اسلوب مروج ہیں۔ پہلا اسلوب جس میں قرآن پاک کا ترجمہ اردو زبان میں لفظی ترجمے کی کوشش سے ہوا اور جس میں قرآن مجید کے ہر ہر لفظ کے نیچے اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے اور اس عبارت کے تسلسل اس کی روانی اور ربط و ضبط کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے ایسے ترجموں سے پڑھنے والا ہر ہر لفظ کے معنی سے تو باخبر ہو جاتا ہے لیکن جب ایک عبارت سمجھ کر پڑھتا ہے

تو ربط قائم نہیں رہتا اور مضمون کی روانی اور اس کا تسلسل بھی ٹوٹ جاتا ہے اور پڑھنے والا مضمون میں اس سے پہلے اور بعد والی گفتگو میں ربط نہیں پاتا اور یوں قرآن کے حسن و کلام کا جو تصور وہ اپنے ذہن میں لے کر قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس لفظی ترجمہ کو پڑھنے کے بعد کھو دیتا ہے کیونکہ اس کو اس لفظی ترجمے میں ربط و ضبط کا تسلسل و روانی کا فقدان ملتا ہے۔

دوسرا اسلوب جس میں قرآن کا ترجمہ اردو زبان میں با محاورہ کیا گیا اس ضرورت کے تحت کہ لفظی ترجمے سے مضمون کا تسلسل قائم نہیں ہو پاتا ہے تو بعد کے مترجمین نے با محاورہ کی طرف توجہ دی لیکن اس با محاورہ ترجمے میں بھی اکثر مترجمین نے اس کے فہم و تدبّر کی طرف توجہ کے بجائے اس کی زبان و زری پر توجہ دی اور طرح طرح کے محاورات اور مضمون نگاری کو ترجمے میں استعمال کیا جس کے نتیجے میں قرآن کا صحیح فہم اور اس کا ربط و ضبط پڑھنے والے کے ذہن میں منتقل نہ ہو سکا اور اس طرح قرآن کا مفہوم صرف با محاورہ ترجمہ کرنے سے بھی کما حقہٗ پورا نہ ہو سکا۔

اس طرح پاک و ہند میں اردو زبان کی دنیا میں بعض تراجم لفظی اسلوب پر اور بعض صرف با محاورہ اسلوب پر لکھے گئے جب کہ خود قرآن کا اسلوب نہ تو صرف لفظی ہے اور نہ صرف با محاورہ کیونکہ یہ کلام الٰہی ہے اس لئے اس کا اپنا ایک جداگانہ اسلوب ہے اور قرآن کے اس اسلوب کو کوئی بھی مترجم نہ تو لفظی ترجمہ کرنے والے اس کو اپنے اندر سمو سکے اور نہ با محاورہ ترجمہ کرنے والوں کے ترجموں میں اس کا اسلوب پایا گیا امام احمد رضا خان نے قرآن کریم کا اردو زبان میں ایک ایسا ترجمہ کنزالایمان کے نام سے تخلیق کیا جو لفظی نقائص سے بھی پاک و صاف تھا اور با محاورہ ترجمے کے حسن سے بھی واقف تھا۔ کنزالایمان میں ترجمہ اس انداز سے کیا گیا کہ وہ نہ جدید اسلوب کے لحاظ سے با محاورہ ہے اور نہ قدیم اسلوب کے لحاظ سے صرف لفظی ہے اس ترجمہ کا ایک اپنا اسلوب ہے کہ اس میں لفظی ترجمے کے کمالات کے حوالے سے قرآن پاک کے ہر ہر لفظ کا مفہوم ہے اور ایسا مفہوم کے پڑھنے کے بعد کسی لغت کی کتاب کی طرف رجوع

کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور بامحاورہ ترجمے کے حسن کو بھی اس انداز سے سمیٹا ہے کہ اس کے پڑھنے کے بعد کسی قسم کا بوجھ عبارت کے اندر باقی نہیں رہتا امام احمد رضا خان کے ترجمے کو اگر یوں کہا جائے کہ یہ قرآن کے اپنے اسلوب سے قریب ترین ہے تو غلط نہ ہوگا۔ مثلاً باری تعالیٰ کا سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۱۹ میں ارشاد ہے" وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ط امام احمد رضا خان نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ یوں کیا کہ جب اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصے سے تم فرمادو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں اس میں دو لفظ قابل توجہ ہیں عضّوا اور غیظ جو کہ آیت میں دو دفعہ استعمال ہوا۔ عضّو جو کہ عربی زبان کا لفظ ہے اس لفظ کا ترجمہ عام مترجمین نے یوں کیا ہے کہ غصے سے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے حالانکہ عضّو کا ترجمہ کاٹ کاٹ کر کھانا درست نہیں بلکہ اس کا اصل مطلب انگلیوں کو چبانا ہے امام احمد رضا تمام مترجمین کی صف میں واحد مترجم ہیں جنہوں نے عضو کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے عضّو کا ترجمہ یوں کیا کہ تم پر انگلیاں چبائیں غصے سے دوسرا لفظ قابل غور ہے غیظ جو کہ آیت میں دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔ امام راغب اس پہلے غیظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غیظ شدید غصے کی حالت میں ناکام تو عام مترجمین نے اس آیت میں دونوں جگہ غیظ کا ترجمہ غصہ کیا ہے پہلے غیظ کے لئے تو لفظ غصہ مناسب ہے لیکن دوسری دفعہ جو استعمال ہوا اسی مضمون میں تو کسی کا ذہن بھی معنوی عظمت کے اس کمال تک نہ پہنچ سکا کہ پہلا غیظ تو شدت و غضب کی نشاندہی کر رہا ہے اور دوسرا غیظ طبیعت کی اس گھٹن کی طرف نشاندہی کر رہا ہے کہ جو غصے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے امام راغب نے اس آیت میں دوسری مرتبہ غیظ کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب غصہ شدت اختیار کر جائے تو اس کے نتیجے میں جو طبیعت میں گھٹن پیدا ہوتا ہے کہ جب آدمی نہ کچھ کر سکتا ہے نہ خاموش رہ سکتا ہے گھٹن کی اس کیفیت کو بھی غیظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس دوسرے غیظ کے لئے آیت کا پہلا غیظ سبب ہے اور پہلے غیظ کے لئے آیت میں دوسری مرتبہ غیظ کا لفظ اس کا نتیجہ ہے چنانچہ امام احمد رضا خان نے اپنے ترجمے میں پہلے غیظ کو اس آیت میں غصے سے تعبیر کیا اس لئے

کہ یہ سبب تھا اور دوسرے غیظ کو نتیجے سے تعبیر کیا کہ یہ سبب تھا اور اس غیظ کا ترجمہ کیا کہ مر جاؤ اپنی گھٹن سے قربان جائیے امام احمد رضا خان کی عظمت پر اور داد دیجیے کنزالایمان کی انتہائے کمال کو کہ عربی لغت کی تمام تفصیلات کو غیظ کے دو لفظوں کے ترجمہ میں پیش کر دیا کہ آپ اس جگہ واحد مترجم ہیں کہ پہلے غیظ کو اور دوسری مرتبہ غیظ کو طبیعت میں گھٹن سے تعبیر کرتے ہیں یوں امام رضا نے لفظی ترجمہ کیا لیکن اس کے نقائص کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور با محاورہ بھی کیا لیکن کثرت محاورات کے استعمال کے بوجھ کو بھی ختم کر دیا۔

کنزالایمان کا دوسرا امتیازی پہلو؛ انداز بیان

قرآن پاک کا ترجمہ انداز بیان کے اعتبار سے بھی دو طرح ہو سکتا ہے یا تو انداز تحریری ہو سکتا ہے یا تقریری ہو سکتا ہے تحریری انداز کی ایک اپنی چاشنی ہوتی ہے اور تقریری انداز کی اپنی چاشنی ہوتی ہے قرآن پاک نہ تو معروف اصطلاح میں تقریری انداز میں اترا تھا اور نہ معروف اصطلاح میں تحریری انداز میں نازل ہوا تھا بے شک قرآن کریم رسول پاک سے خطاب تھا۔ اہل مکہ سے خطاب تھا اہل مدینہ سے خطاب تھا۔ عالم کفر سے خطاب تھا عالم انسانیت سے خطاب تھا گو یہ خطاب تھا لیکن قوانین و ہدایت کا مجموعہ تھا یہ ہدایت و قوانین رفتہ رفتہ نبیؐ پاک کی جانب بھیجے جا رہے تھے اور خطاب کے انداز میں گفتگو ہو رہی تھی قرآن کا یہ بھی اپنا اسلوب ہے کہ کبھی خطاب حاضر صیغہ میں کرتا ہے کبھی متکلم کے کہیں واحد کے صیغے میں کہیں جمع کے صیغے میں خطاب کرتا ہے کبھی نصیحت کرتا ہے کبھی امر کا حکم دیتا ہے کبھی اچانک لہجہ سخت ہو جاتا ہے کبھی اچانک لہجہ نرم ہو جاتا ہے تو قرآن کے اس لہجہ کو نہ تو مطلق تحریری کہہ سکتے ہیں اور نہ مطلق تقریری کہہ سکتے ہیں آزاد ترجمانی کرنے والے علماء نے یہ کہا کہ چونکہ قرآن تقریر کے انداز میں ہے اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کے معنی و مفہوم کو مربوط انداز کے ساتھ پیش کرنے کے لئے اس کے انداز کو ترجمہ میں تحریری کیا جائے اور تقریر کے انداز کو تحریر کے انداز میں کرنے کی بعض علماء کو ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان کے سامنے امام احمد رضا خان کا ترجمہ کنزالایمان موجود نہ تھا اور اس انداز میں یہ آنکار

ہوتا ہے کہ علماء نے ان تراجم کو دیکھا تھا جو تراجم اپنے اپنے اسلوب میں قرآن کے نظم اس کے ضبط اور ربط کو قائم نہ رکھ سکے اگر امام احمد رضا خان کا ترجمہ پیش ہوتا تو تقریر کو تحریر کے انداز میں بدلنے کی ضرورت کبھی پیش نہ آتی۔

یہ درست ہے کہ اللہ رب العزت کا کلام اس کی ذات اور اوصاف کی کمالات کا آئینہ دار ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدائی ذات بعض نیک بندوں کی روحوں کو اپنی صفاتی تجلیات اور صفاتی فیضان سے منور بھی کیا کرتی ہے اور یہ عین ممکن ہے وہ ذات کسی پر اپنا اس طرح لطف و کرم کرے کہ وہ اپنے کلام کی حقانی تجلیات سے کسی شخص کے ترجمہ کو اپنا آئینہ دار بنا دے اور جو حسن و کمال اس کے کلام میں جھلکتا ہے اس کا مظہر کسی کے ترجمہ کو بنا دے اور جب یہ خدا کا فیضان امام احمد رضا خان پر ہوا تو انہوں نے نہ قرآن کی تقریر کو نہ تحریر میں بدلا اور قرآن کا جو اسلوب تھا اس کو قائم رکھا اور ان کا کیا ہوا ترجمہ کنز الایمان نہ تو صرف تقریری اسلوب رکھتا ہے اور نہ صرف تحریری اسلوب رکھتا ہے بلکہ قرآن کے اسلوب کو مدنظر رکھ کر اس اسلوب کے مطابق ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ پڑھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قرآنی آیت کا ایک ایک لفظ ترجمہ کرنے والے کی روح پر اتر اتر کر اپنے فیضان سے اس کی روح کو انہادی کے ساتھ فیضیاب کر رہا ہے اب سورۃ لقمان کی اس آیت کا ترجمہ پڑھیے۔ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ ؕ اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۧ

ترجمہ:۔ اے میرے بیٹے نماز قائم کرا اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، بیشک یہ ہمت کے کام ہیں، اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسار کج نہ کر اور زمین میں اتراتا نہ چل، بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا، اور میانہ چال چل اور اپنی آواز کچھ پست کر، بیشک سب آوازوں میں بری آواز گدھے کی۔

اب یہ جو اسلوب ترجمہ اور انداز بیان ہے نہ تو تقریری ہے اور نہ تحریری بلکہ دونوں سے

جدا ہو کر جو حسن و لطف و چاشنی قرآن کی آیت میں تھا وہ حسن و چاشنی اس ترجمہ میں بھی دکھائی دے رہی ہے۔

کنزالایمان کا تیسرا امتیازی پہلو: جامعیت، معنویت اور مقصدیت

جو معنویت قرآن کریم کے الفاظوں اور اس کی آیت میں ہے اگر تعصب کے پردے اٹھا کر اس ترجمہ کا مطالعہ کیا جائے تو واللہ اسی معنویت کا رنگ اس ترجمہ میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ اس کا عام ترجمہ تمام مترجمین نے یہ کیا ہے کہ "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں"، اہل علم جانتے ہیں کہ ذالك اسم اشارہ بعید ہے گو قرآن تو پڑھنے والے کے قریب ہے سننے والے کے بھی قریب ہے لیکن قرآن میں اشارہ قریب کا استعمال نہیں ہوا بلکہ دور کا کیا کہ ذالك کہ وہ کتاب ھٰذا نہیں فرمایا کہ یہ کتاب۔ اسی ذالك کی حکمت کسی مترجم کے ترجمہ میں دکھائی نہیں دیتی ہے اور وہ معنویت جو اسم اشارہ بعید کے استعمال کے لیے ہے وہ کہنے کی ہے اس کا اظہار کسی اور ترجمہ میں نہیں ہوتا اور یہ اظہار صرف اور صرف واحد ترجمہ کنزالایمان سے ہوتا ہے امام احمد رضا خان نے ترجمہ کیا "بلند رتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں"، شاید ذہن میں سوال آئے کہ بلند رتبہ کتاب کا مفہوم کہاں سے آگیا تو یہ ہی ذالك کی معنویت ہے اصل میں بعض اوقات ایک چیز وجود کے اعتبار سے تو قریب ہوتی ہے۔ لیکن اتنی بزرگ اتنی بلند اور اتنی عظیم اتنی بالا ہوتی ہے کہ انسان کے فہم و گمان سے بہت دور ہوتی ہے دکھائی دینے میں پڑھے جانے میں تو یہ کتاب بہت قریب ہے لیکن اس کی عظمت اتنی بلند ہے کہ اس کو چھوا نہیں جا سکتا اس کی بلندی تک پہنچا نہیں جا سکتا کہ ساری انسانیت مل کر بھی اس کا حسن پیدا نہیں کر سکتی لہٰذا قرآن حسی اعتبار سے تو قریب ہے لیکن رتبہ اعتبار سے بہت دور وجود کے اعتبار سے تو نزدیک لیکن عظمت کے لحاظ سے انسانی فہم کی پرواز سے بہت دور تو گویا قرآن کی یہ ہی وہ عظمت اور بلندی ہے کہ جس کے قریب ہوتے

ہوئے اسے اتنی دور بنا دیا تو امام احمد رضا خان نے اس "ذٰلِکَ" کی معنوی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بلند مرتبہ کتاب (جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا) کوئی شک کی جگہ نہیں تو اندازہ فرمائیں کہ قرآن میں ذٰلِکَ کی معنویت کی جو حکمت ہے وہ صرف اسی ترجمہ سے حاصل ہوتی ہے یہ وہ حکمتیں ہیں جو تفاسیر کے اوراق کو پڑھ کر سمجھ میں آتی ہیں لیکن کنزالایمان اتنا جامع اور کامل ترجمہ ہے کہ لفظ کا معنی سامنے رکھ کر سینکڑوں تفسیر کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیتا ہے مقصدیت کے اعتبار سے اسی آیت کے بقیہ حصہ کو ملاحظہ کیجئے۔ لاریب فیہ ۰ جس کا ترجمہ اکثر مترجمین نے یوں کیا ہے کہ "یہ وہ کتاب ہے کہ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں گویا شک کی ایک نوعیت کو متعین کر دیا یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خدا کی کتاب ہے حالانکہ قرآن نے شک تو ایک نوعیت پر مقصود نہ کیا تھا۔ لاریب فیہ جو اسم نکرہ ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے ذہن میں جو جو شک پیدا ہو سکتے ہیں اور جس شک کو بھی دل میں پائیں قرآن اسی شک سے پاک ہے کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش قرآن میں نہیں ہے قرآن حکیم کی مقصدیت اس کو کہتے ہیں کہ قرآن ایک آیت کے ذریعہ جو تصور دینا چاہتا ہے یا جو مفہوم قرآن ذہن نشین کرانا چاہتا ہے وہ مفہوم پڑھنے والے اور سننے والے کے ذہن میں پیدا ہو یعنی جو مقصد قرآن بیان کر رہا ہے وہ من وعن ترجمہ کے ذریعہ آشکار ہو تو امام احمد رضا خان نے لاریب کا ترجمہ اس انداز سے کیا کہ کوئی شک کی جگہ نہیں یعنی دنیا کا کوئی شک بھی لے آئیں قرآن اس شک سے پاک ہے اور یوں اس ترجمہ میں امام رضا نے شک کی کسی نوعیت کو بھی متعین نہیں کیا بلکہ شک کی ساری نوعیتوں کو رد کر دیا۔

جامعیت کا رنگ جاننے کے لئے اس آیت کو پڑھیے، ص والقرآن الذکر اس آیت میں باعظمت اور شہرت یافتہ قرآن کی قسم کھائی جا رہی ہے اب ان قرآن کے الفاظوں میں جو جامعیت ہے کتنے ہی ترجمہ چھان لیں قرآن کی جو جامعیت کنزالایمان نے ادا کی ہے وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی امام احمد رضا والقرآن الذکر کا ترجمہ کرتے ہیں "قسم ہے نامور قرآن کی

قرآن جو مفہوم اس کے اندر بیان کرنا چاہتا ہے تو امام احمد رضا اس مفہوم کو پورا پورا ادا فرماتے ہیں۔

کنزالایمان کا چوتھا امتیازی پہلو صوتی حسن، سلاست، ترنم و نغمگی

قرآن حکیم کے اعجاز کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے واقف ہیں کہ قرآن کو جب خوش الحانی سے پڑھا جائے تو ان آیت میں ایسا ترنم محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح آبشار گرتا ہے۔ اور جو حسن اور جو رنگ بغیر کسی ساز بجائے اس آبشار کے قدرتی ساز میں ہوتا ہے اس طرح بلکہ اس آبشار کی نغمگی سے کہیں زیادہ خدا کے کلام میں حسن و صوتی ترنم کی چاشنی و نغمگی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کو سننے والا جھوم جھوم جاتا ہے اس صوتی حسن اور نغمگی کو بھی کوئی بھی اردو مترجم اپنے ترجمہ میں سمو نہ سکا یہ صرف امام احمد رضا خان کے ترجمہ میں اس صوتی حسن اور نغمگی کا احساس ہوتا ہے کہ سننے والے پر رقت طاری ہو جاتی ہے آنکھیں آبدیدہ ہو جاتی ہیں ایک عجیب کیفیت و سرور کا عالم برپا ہوتا ہے زبان پکار اٹھتی ہے کہ یقیناً امام احمد رضا کی ذات پر خدا کی ذات کا کوئی خصوصی فیضان تھا کیونکہ بغیر اس فیضان کے ترجمہ میں یہ حسن و نغمگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی اب ذرا سورۃ تکویر کی مندرجہ ذیل آیت کی خوش الحانی سے تلاوت کیجیے اور ساتھ میں ترجمہ پڑھیے اور دیکھئے کہ کتنا صوتی حسن اور نغمگی کا احساس ترجمہ سے ہوتا ہے اور کتنی روانی اور تسلسل ترجمہ میں دکھائی دیتا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝

ترجمہ :- جب دھوپ لپیٹی جائے ، اور جب تارے جھڑ پڑیں ، اور جب پہاڑ چلائے جائیں ، اور جب تھکی اُونٹنیاں چھوٹی پڑیں اور جب وحشی جانور اکھٹے کئے جائیں ، اور جب سمندر سلگائے جائیں ، اور جب جانوں کے جوڑ بنیں ، اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی ، اور جب نامہ اعمال کھولے جائیں ، اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے ، اور جب جہنم بھڑکایا جائے ، اور جب جنت پاس لائی جائے ، ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی ۔

کنز الایمان کا پانچواں امتیازی پہلو : فہم و تدبر

لغت کی کتابیں قرآن پاک کے الفاظوں کے معنی اس کے سادہ اور ان کے مشتقات کو سمجھاتی ہیں تفسیر کی کتابیں قرآن حکیم کی اعتقادیات و تعبیرات و فقہ کی کتابیں قرآن حکیم کے احکامات اور ان کی تفصیلات سمجھاتی ہیں کنز الایمان کو اگر بغیر تعصب کے دیکھا جائے تو اس میں فہم و تدبر کی وہ باریکیاں ہیں کہ وہ علوم و فنون اور معارف و مطالب جو تفسیر کے سینکڑوں اوراق پر بکھرے پڑے ہیں اس ترجمہ کا ایک ایک لفظ سمندروں کی طرح تفاسیر کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہیں وہ لغوی استفاقات جن کے لئے بیسیوں لغت کی کتابیں اٹھانی پڑتی ہیں اور فقہ کی طویل کتابیں جن میں مسائل بکھرے پڑے ہیں امام احمد رضا خان کے ترجمہ میں لفظ کا انتخاب ان تمام معنی کا ارتکاب اور فقہ اطلاق کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور پھر اس ترجمہ کو پڑھنے کے بعد اکثر و بیشتر مقامات پر فقہ کی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ تفاسیر کو کھولنے کی حاجت باقی رہتی ہے اور لغت کی کتابوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی مثال کے لئے مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے ۔

یاایھا النبیّ انا ارسلنٰک شاھدا کا امام رضا نے ترجمہ کیا اے غیب کی خبر دینے والے پیارے ہم نے تمہیں بنا کر بھیجا حاضر و ناظر اس آیت میں دو لفظ النبی اور شاھد لغوی معنیٰ کے اعتبار سے معنی طلب ہیں دونوں لفظوں کا اصلاحی پہلو تو ہر کوئی جانتا ہے کہ نبی خدا کا فرستادہ پیغمبر ہوتا ہے اور شاھد گواہ کو کہتے ہیں لیکن پیغمبر نبی کیوں کہلاتا ہے

اور گواہ کو شاھد کیوں کہتے ہیں اس کی طرف کسی مترجم نے بھی توجہ نہ دی اس امر کی وضاحت
نبی کو غیب کی خبر دینے والا اور شاہد کو حاضر و ناظر امام رضا کے ترجمہ نے پوری کر دی لفظ
نبی نبأ" سے مشتق ہے اور "نبی" فعیل" کے وزن پر صفتِ مشبہ ہے یعنی ہمیشہ خبر دینے والا اور
کیونکہ نبی کا تعلق عالم الغیب کی ذات سے ہوتا ہے اس لئے نبی کے معنی ہوتے ہیں غیب
کی یا چھپی ہوئی باتوں کی خبر دینے والا اور خود قرآن بتاتا ہے کہ "وہ غیب بتاتے میں بخل نہیں
کرتے" (وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿ع﴾) تو معلوم ہوا جو کچھ نبی کو معلوم ہوتا ہے وہ لوگوں
تک پہنچا دیتے ہیں اور ہزاروں خبریں لوگوں سے پوشیدہ ہیں لیکن نبی ان کی خبریں لوگوں
تک پہنچا دیتا ہے تو امام رضا نے ترجمہ کیا اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی کہ جس ترجمہ
نے لغت و تفسیر کی کتابوں کی طرف رجوع ہونے کے لیے روک دیا۔ اب دیکھئے شاھد
مدلل عالمانہ ترجمہ کہ شاھد کو حاظر و ناظر کیوں کہا گیا گو گواہ ترجمہ اپنی جگہ مکمل طور پر درست ہے
لیکن گواہ کو گواہ کب کہا جاتا ہے، گواہ کو گواہ کب مانا جاتا ہے اسی وقت کہ جب کوئی ذات
کسی بھی واقع کی خود گواہی دے اور گواہی اسی کی جب مقبول ہوگی کہ وہ واقعہ کی جگہ پر حاضر
بھی ہو (وجوداً یا کم از کم حکماً حاضر) اور ناظر بھی ہو اور جہاں جہاں تک کے لئے کوئی ناظر
ہوگا وہاں وہاں تک کے لئے وہ بھی حاظر ہوگا اور مشاہدہ قریب کا بھی ہو سکتا ہے
اور بعید کا بھی ہو سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ وجود کے لحاظ سے کوئی جسم ایک جگہ موجود ہے اور
وہ سینکڑوں ہزاروں میل کے فاصلہ کی اشیاء کا یا حرکات کا مشاہدہ کر رہا ہو آپ طاقتور ترین
دور بین سے سینکڑوں میل کے فاصلے کی حرکات کو دیکھ سکتے ہیں تو گواہ کے لئے شرط یہ
ہے کہ وہ وجوداً یا حکماً حاضر ہو کر مشاہدہ کر رہا ہو تو امام رضا نے حضور کے وجود کو تو گنبد خضرا
میں آرام کرتے ہوئے کائنات کا مشاہدہ کرتا ہوا جانا تو شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر کر دیا اور
امام احمد رضا نے یہ معنیٰ کی اطلاع اپنی طرف سے نہ بنائی بلکہ شاھد کا ترجمہ لغت عربی
میں بقول امام رازی ہے کہ مشاہدے پر خاص حاظر ہونے والا اس کو شاھد سے تعبیر کیا

گیا ہے تو یہ امام احمد رضا کا تدبر ہی تھا کہ ان کی نظر بر تفسیر اور لغت پر تھی اور انہوں نے الفاظوں کے معنی کو اس طرح چنا جس طرح ماہر جواہری موتیوں کے ڈھیر میں سے اعلیٰ اور نفیس موتی چنتا ہے اور ہار پروتا چلا جاتا ہے اسی طرح امام رضا نے ایسے ایسے الفاظ کے معنی چنے ہیں کہ بعض وقت ذہن تعجب کرتا ہے کہ امام رضا کی نظر کتنی گہری اور دور دور پہنچتی تھی یہ ہی ترجمہ کی حقیقی روح تھی جو امام احمد رضا نے اس ترجمہ میں پیش کر دی اور تمام کے تمام اشکال دور ہو گئے۔

چھٹا امتیازی نشان: ادب الوہیت و رسالت

قرآن کریم کا ارشاد ہے "إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ"

اس کا ترجمہ عام مترجمین یوں کرتے ہیں کہ بے شک منافق خدا کو دھوکا دیتے ہیں (معاذ اللہ) اور اللہ ان کو دھوکہ دینے والا ہے یا منافق اللہ سے دغا بازی کرتے ہیں اور اللہ ان سے دغا بازی کرتا ہے (معاذ اللہ) یا منافق اللہ سے فریب کرتے ہیں اور اللہ ان سے فریب کرتا ہے (معاذ اللہ) تمام ترجموں سے اس آیت کے یہ ہی معنی ملتے ہیں اور اکثر مترجمین دامن الوہیت کی عظمتوں کو اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دیتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ خادعھم منافق کے لئے بھی استعمال ہوا اور اللہ کی ذات کے لئے بھی اور ان مترجمین نے یہ نہ سمجھا کہ ان دونوں لفظوں کے صحیح معنی کیا ہوں گے اور دونوں کے لئے ایک ہی معنی استعمال نہ ہوں گے لیکن امام احمد رضا ترجمہ فرماتے ہیں کہ بے شک منافق اللہ کو (اپنے گمان میں) دھوکا دینا چاہتے ہیں۔" یعنی منافق دھوکا دینا تو چاہتے ہیں لیکن دھوکہ دینے میں ناکام رہتے ہیں اس لئے کہ خدا کو دھوکہ دیا ہی نہیں جا سکتا لیکن اللہ ان دھوکے بازوں کو غافل کر کے مارے گا اور امام احمد رضا خان نے اللہ کے لئے دھوکہ دینے کا لفظ استعمال نہ کیا کہ ادب الوہیت کے خلاف ہے بلکہ وہ ان کی تدبیر کو ناکام بنا دے گا انہیں غافل کر کے مارے گا اب اس ترجمہ کو پڑھنے کے بعد عربی ادب و لغت کی کتابوں پر نظر ڈال لیے اور قرآن کا جائزہ لیجیے کہ کیا قرآن کا یہ اصول کسی اور جگہ بھی ہے

کہ لفظ ایک ہو اور معنیٰ جدا جدا استعمال کیے جائیں۔ تو لغت و ادب کی کتابیں دیکھنے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ قرآن کا یہ اپنا اسلوب ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی لفظ ایک ہی فقرہ میں کبھی فعل کے لئے اور کبھی فاعل کے لئے استعمال ہوتا ہے لفظ ایک ہی ہوتا ہے لیکن کبھی اس لفظ سے فعل مراد لیا جاتا ہے اور اگر وہ فعل غلط ہو جس پر کہ سزا دینی چاہیے تو وہ ہی لفظ اس غلط فعل کے سزا کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے امام احمد رضا خان نے اس لفظ فادعھم کے معنی منافق کے لئے وہ اس استعمال کے لئے جس کا وہ مستحق ہے اور خدا کے لئے استعمال نہ کئے کہ شان الوہیت کے خلاف ہے اور یوں ترجمہ کیا کہ انہیں غفلت کی موت سلا کر ان کو دھوکہ دہی کی سزا دے گا تو خدا کی ذات کا ادب بھی قائم رہا اور آیت کے معنی بھی اصلیت کے ساتھ نکھر کر سامنے آگئے۔

اب آخر میں ادب رسالت مآب کا رنگ دیکھئے اللہ کا ارشاد ہے۔ ووجدک ضالا فھدیٰ عام مترجمین نے ادب رسالت سے غفلت برتتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کر دیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے آپ کو بھٹکا ہوا پایا یا ناواقف پایا یا گمراہ پایا یا شریعت اور راہ حق سے بے خبر پایا (معاذ اللہ) پس اس نے آپ کو ہدایت دی اس ترجمہ میں مترجمین یہ خیال نہ کر سکے کہ خدا کا کلام جو اترا ہی اس پر ہے کہ جس کے لئے فرمایا "ورفعنا لک ذکرک" جو قرآن اترا ہی رسول کے ذکر کی عظمتوں اور ان کے ذکر ثریا سے بھی آگے پہنچانے کے لئے اور جو قرآن یہ کہتا ہے۔ اے پیارے ہم نے تجھے بھیجا ہی ہے کہ تو بھٹکوں کو راہ دے تو جو رسول خود بھٹکوں کو راہ بتلانے کے لئے آیا ہو وہ خود (معاذ اللہ) اگر بھٹکا ہوا ہو یا بے خبر ہو تو پھر کوئی اس سے کیسے اسے سیدھی راہ حاصل کرے گا اب دیکھئے امام احمد رضا خان ترجمہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پیارے ہم نے تجھے اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اس طرح صرف حرف ضل کے دو معنی ہو گئے۔ حرف ضل کے معنی لغت میں گمراہ کے بھی ہیں لیکن ضل کے معنی شیخ سعدی امام رازی، امام راغب اور ان کے علاوہ متعدد تفسیروں میں

بھی اور آئمہ لغت نے بھی یہ کئے ہیں کہ کسی کے عشق میں خودرفتہ ہونا اور اتنا مستغرق ہو جانا کسی کی محبت میں کسی کی یاد میں کسی کی شوق ملاقات میں کہ اسے خود اپنے آپ کا خیال بھی نہ رہے اپنی خبر بھی نہ رہے اس کے لئے بھی حرف ضل استعمال کرتے ہیں امام احمد رضا خان نے حرف ضل کے معنی مستغرق ہونے میں لئے ہیں بے خبر ہونے میں نہیں لئے لیکن یہ بے خبری کا تعلق شریعت و ہدایت سے نہ تھی اور نہ راہ حق سے تھی اور وہ خدا کی محبت میں خود سے بے خبر تھے اور خدا کی یاد میں یوں مستغرق تھے اور خدا کی ملاقات اور وصال میں یوں تڑپتے تھے کہ چالیس چالیس دن گھر والوں سے اور شہر اور کعبہ سے دور غار حرا کی دیواروں میں رہتے وہاں خدا کی یاد میں روتے مراقبہ کرتے اور کفار یوں کہا کرتے تھے کہ دیکھا محمدؐ کو تو اپنے رب سے عشق ہو گیا ہے کیونکہ وہ اپنے رب کی یاد میں سب کچھ بھول گیا سب چیزوں سے بے خبر ہو گیا تو اس سارے پس منظر کو امام احمد رضا خان نے سامنے رکھ کر ترجمہ کیا کہ ہم نے تجھے اپنی محبت میں خودرفتہ پایا اور اپنی محبت میں اتنا ڈوبا ہوا پایا کہ تجھے اپنی خبر بھی نہ رہی تو جب محبت اس کمال کو پہنچی تو تجھے اپنی بارگاہ تک پہنچا دیا اور اپنا دیدار کرا دیا تو یہ ترجمہ جب ہی ممکن ہے کہ مترجم خود عشق میں ڈوب کر ترجمہ کرے اور علم و ادب و لغت و تفسیر کے سارے قاعدہ بھی اپنے سامنے ملحوظ رکھے اور ادب رسالت کا دامن بھی مضبوطی سے تھام رکھے۔

تو یہ چند پہلو تھے جو کنزالایمان میں بنیادی امتیازی پہلو رکھتے ہیں اس کے علاوہ بھی بہت پہلو ہیں جن کا بھی موازنہ دوسرے ترجموں سے کیا جا سکتا ہے لیکن یقین جانیے کہ اگر ان پہلوؤں پر تعصب و حسد کی آگ سے علیحدہ ہو کر غور کیا جائے تو ہر بالغ و عاقل انصاف پسند یہ پکار اٹھے گا کہ لہٰذا اس سے بڑھ کر اردو زبان کی دنیا میں کوئی مترجم بھی آج تک اس معیار کا ترجمہ نہ کر سکا۔ اللہ رب العزت حق راہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وما علینا الا البلاغ

پروفیسر امتیاز سعید احمد

امام احمد رضاؒ

کا ترجمہ قرآن مجید "کنزالایمان"

برصغیر میں جن علمائے کرام اور دینی دانش وروں نے اسلامی فکر کو جلا بخشی اور اپنی مجتہدانہ صلاحیتوں سے امت کو درپیش مسائل حل کر کے صحیح رہنمائی کی ان میں ایک ممتاز نام امام احمد رضا خاں بریلویؒ کا ہے۔

حضرت امام شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ ۱۸۵۶ء میں بریلی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں وہیں انتقال فرمایا۔ تقریباً چودہ برس کی عمر میں علوم متداولہ میں تکمیل کی اور اس کے ساتھ ہی تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا آغاز کر دیا۔ اس طرح آپ کی علمی زندگی کا عرصہ تقریباً ۵۳ سال ہے۔ اس دوران آپ نے پچاس سے زائد شعبوں میں کام کیا اور ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف چھوڑیں۔ آپ کی جملہ دینی و علمی تصانیف میں آپ کا ترجمۂ قرآن مجید المعروف بہ "کنزالایمان" خاص اہمیت کا حامل ہے۔

قرآن حکیم کے اب تک مختلف زبانوں بالخصوص اردو میں بے شمار تراجم ہو چکے ہیں۔ اور ہر ترجمے میں دو امور ضرور اثر انداز ہوتے ہیں ایک اس دور کے اثرات جس میں ترجمہ مرتب کیا گیا ہو۔ مثلاً جو تراجم ابتداء میں کئے گئے جبکہ اردو زبان ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں تھی اور ہنوز اس میں عربی فارسی وغیرہ زبانوں کے اثرات تھے اور اس کا اپنا محاورہ تشکیل نہ پایا تھا اس دور کے تراجم لفظی صورت میں ہیں اور آج ان کا پڑھنا ایک عام قاری کیلئے مشکل ہے۔ پھر جوں جوں زبان ترقی کرتی گئی اس میں شستگی اور روانگی پیدا ہوتی گئی لفظی سے ہٹ کر با محاورہ تراجم کئے جانے لگے ان تراجم میں بھی بعض ایسے ہیں جن میں ترجمہ کی نسبت ترجمانی کا رنگ غالب ہے۔

دوسری بات جو ترجمہ میں اثر انداز ہوتی ہے وہ مترجم کا اپنا نقطہ نظر اور اُس کا علم و فضل اور اس کے اپنے افکار و نظریات ہیں۔ چنانچہ ہر ترجمے میں کہیں نہ کہیں مترجم کا اپنا خاص رنگ

ضرور دکھائی دے جاتا ہے۔

حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ کے ترجمہ قرآن مجید یعنی کنزالایمان میں بھی انہی دو باتوں کا اثر ضرور دکھائی دیتا ہے۔ امام موصوف جس دور میں ہوئے وہ مسلمانوں کا دور انحطاط تھا مسلمان حکومت سے محروم ہو کر غلامی کا شکار ہو چکے تھے۔ اس طرح وہ اپنی اقدار سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ توحید خالص اور عشق رسولؐ کا وہ تصور جو اسلام کی مخصوص تعلیم ہے مفقود ہو رہا تھا۔ اکثر لوگ حضور رسول مقبولؐ کے مرتبے و مقام کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس لئے امام احمد رضاؒ کے قلب و ذہن میں اسی کا ردعمل پیدا ہوا۔ ان کے اندر عظمت خداوندی اور اس کے ساتھ ساتھ حب رسولؐ کا لازوال جذبہ اپنی پوری عظمت کیساتھ اجاگر ہوا۔ ان کا یہی جذبہ ہمیں آپ کے پورے ترجمہ قرآن میں نمایاں نظر آتا ہے۔

دوسری بات جو اس ترجمہ قرآن میں خاص ہے وہ اس کی ادبی اہمیت اور اس کا اسلوب نگارش ہے بیشک اس دور میں اردو زبان پر عربی فارسی اثرات تھے اور امام موصوف خود عربی فارسی کے متبحّر عالم تھے مگر آپ نے پورے ترجمے میں اردو زبان کے محاورے کا خاص خیال رکھا اور اس بات کا اہتمام کیا کہ ترجمے میں قرآن حکیم کی عظمت و وقار میں کوئی فرق نہ آئے گو کہ وہ جلالت جو اصل کلام الٰہی میں ہے ترجمے میں ممکن نہیں مگر دوسرے تراجم کے مقابلے میں کنزالایمان کی عبارت پڑھنے سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں کلام الٰہی کی جلالت و عظمت کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ بات بلا تامل کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے جس میں پہلی بار اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ جب باری تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر آئے تو ترجمہ کرتے وقت اس کی عظمت و جلالت، تقدس و علوت اور کبریائی ملحوظ خاطر رہے۔ اسی طرح جس آیت میں حضورؐ کا ذکر ہو تو انکے مرتبے و مقام کو پیش نظر رکھا جائے پھر جہاں حضورؐ کا ذکر آیا ہے وہاں محض اے نبیؐ لکھ دینے کی بجائے اس آیت سے متعلق حضورؐ کے وصف کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے مثلاً ایک مقام پر یاایھاالنبی کا ترجمہ صرف اے نبی کی بجائے یہ کہا گیا ہے کہ اے (غیب کی خبریں بتانے والے) نبی۔

امام اہلسنت جناب امام احمد رضا خان بریلویؒ کے ترجمہ قرآن کنزالایمان کی خصوصیات کا اندازہ کرنے کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ کرتے ہوئے اس بات کا التزام کیا ہے کہ اللہ کا نام ابتدا میں آئے تا کہ بسم اللہ کے مفہوم کا عملاً اطلاق ہو جیسا کہ لکھتے ہیں "اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے" یہ اہتمام دوسرے مترجمین کے ہاں نظر نہیں آتا جو بالعموم "شروع" کو ابتدا میں رکھتے ہیں۔

آیت کریمہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ کا ترجمہ عام طور سے دوسرے مترجمین نے یہ کیا کہ اے نبیؐ اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ۔ اس ترجمے سے نہ صرف عقیدہ عصمت انبیاء پر گزند پڑتی ہے بلکہ غیر مسلم بھی اسے پڑھ کر استہزا کرتے ہوں گے کہ جو رسول معاذاللہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہے، وہ دوسروں کی کیا رہبری کرے گا۔ جو معاذاللہ خود گنہگار ہو وہ اپنی امت کی مغفرت کیونکر کرا سکتا ہے؛ مولانا احمد رضا خان نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے یہ مفہوم واضح کیا ہے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ اے نبی اپنی امت کے گناہوں کی مغفرت طلب کر۔

قرآن حکیم کے جتنے بھی تراجم اردو زبان میں ہوئے ہیں ان سب میں ووجدك ضآلاً فهدىٰ کا ترجمہ گمراہ پایا تو ہدایت دی کیا گیا ہے۔ غور کیا جائے تو یہ ترجمہ بھی صحیح مفہوم ادا نہیں کر رہا کیونکہ اگر نبی خود گمراہ ہو تو وہ دوسروں کی کیونکر رہبری کرے گا۔ گمراہی بذات خود ایک عیب ہے۔ اگر نبی میں یہ عیب ہو تو وہ منصب نبوت کے لائق کیونکر ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے کیونکر محبوب و دوست رکھے گا۔ حالانکہ قرآن حکیم خود حضور رسالتمآبؐ کے بارے میں اعلان کر رہا ہے۔ ما ضلّ صاحبکم پھر اس کے باوجود یہ ترجمہ کہ نہیں گمراہ پایا (معاذاللہ) کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اس جگہ بھی مقام مصطفےٰ کو ملحوظ رکھا اور اس آیت کریمہ کا ایسا ترجمہ کیا جو اصل عبارت سے قریب تر ہے کہ "تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو راہ دی؛ تاریخ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت سے قبل حضورؐ پہروں استغراق میں رہتے تھے اور کائنات میں غور و فکر زیادہ فرمایا کرتے تھے یہ دراصل خود رفتگی کا عالم تھا اور عطائے نبوت سے آپ کو راہ مل گئی اور آپ نے دوسروں کو بھی راہ دکھائی۔

یہی آیت کریمہ کا صحیح مفہوم ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ ووجدک عائلاً فاغنیٰ کا لفظ ترجمہ ہے کہ آپ کو تہی دست پایا تو غنی کر دیا۔ اور ہر مفسر نے اس کا مفہوم یہی لکھا ہے کہ حضورؐ تنگدست تھے۔ پھر حضرت خدیجہؓ سے عقد کر کے غنی و خوشحال ہو گئے۔ یہ ترجمہ بذاتِ خود آیت کے مفہوم کو نہ صرف محدود کر دیتا ہے بلکہ یہ حضورؐ کی شانِ نبوت کے بھی منافی ہے۔ کیونکہ نبوت کا معاش سے تعلق قائم کرنا اور نبوت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مالِ غنی کو لازم قرار دینا عجیب سی بات ہے۔ نبوت تو ایک وسیع منصب ہے جس کا بنیادی مقصد انسانوں کو زندگی کی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ اس بات کی اہلیت کے لئے مال کی کفالت درکار نہیں ہوتی بلکہ علم و فضل مطلوب ہوتا ہے چنانچہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کا ترجمہ اس مقام پر بھی زیادہ صحیح معلوم دیتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اے مصطفےٰ تمہارے پروردگار نے تمہیں علم میں تہی دست پایا تو پھر بے پناہ علم عطا فرما کر علم میں غنی کر دیا، اسکی تائید دوسری آیت قرآنی سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا وعلمناہ من لدنا علما" (ہم نے اسے خود اپنے پاس سے علم دیا)

ایک مقام کنزالایمان میں ایسا ہے کہ قاری اسے پڑھ کر جھوم جاتا ہے۔ اور مولانا احمد رضا خان کی علمیت پر حیران رہ جاتا ہے۔ آیت کریمہ والنجم اذا ھویٰ کا ترجمہ کرتے ہیں "اس پیارے چمکتے دمکتے ستارے (محمدؐ) کی قسم جب یہ معراج سے اترے" سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں معراج شریف کا تذکرہ ہے اس لئے اس مناسبت سے امام موصوف کا ترجمہ زیادہ موزوں ہے باقی مترجمین نے صرف یہ ترجمہ کیا ہے کہ اس ستارے کی قسم جب وہ گرے۔ اس سے آیت کا پس منظر واضح نہیں ہوتا۔ پھر امام موصوف نے "گرے" کی بجائے "اترے" کا لفظ استعمال کر کے نہ صرف واقعہ معراج سے مناسبت کا التزام کیا ہے بلکہ حضور رسالتمآبؐ کے مرتبہ و مقام کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا خان نے اپنے ترجمہ میں لفظی رعایت کا اہتمام نہیں کیا۔ بلکہ مفہوم واضح کرنے کے لئے بعض ضمنی الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جیسے معترضین نے تحریف

کہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ انداز آج کے بعض اور مترجمین نے بھی اختیار کیا ہے اور یہ ضروری بھی ہے کیونکہ اُردو الفاظ عربی الفاظ کے متبادل نہیں ہو سکتے اور یہ اضافے ناگزیر ہیں۔

مختصر یہ کہ مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ قرآن کنز الایمان تمام اُردو تراجم میں ایک منفرد و ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے حبِ الٰہی اور عشقِ رسول ؐ کے جذبات اجاگر ہوتے ہیں۔

ہے جلوہ گہہ نورِ الٰہی وہ رُو

قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو

آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب

چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

امام احمد رضاؒ

خواجہ ابو الخیر محمد عبد اللہ جان نقشبندی مجددی

امام اہلسنّت اعلیحضرت مولانا احمد رضاؒ خانصاحب

اور

عشقِ رسولؐ

دورِ متاخرین کے نعت گو شعرائے کرام میں ہمیں تین شعرائے کرام ایسے نظر آتے ہیں کہ جنہوں نے درحقیقت نعت گوئی کو نہایت سنجیدگی اور ایک مستقل فن کی حیثیت سے اپنایا۔ ان شعرائے کرام میں منشی امیر احمد امیر مینائی، مولانا سیّد محمد محسن کاکوروی اور اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب فاضل بریلویؒ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تینوں حضرات اکثر فضائل و خصائل اور علوم و کمالات میں بڑی حد تک مماثلت اور مشابہت رکھتے ہیں۔ مثلاً یہ تینوں حضرات ہم عمر، ہم عصر، ہم مسلک، ہم مشرب، ہم خیال اور ہمنواد ہونے کے علاوہ مئے حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بے حد سرشار اور سرمست تھے۔

ان تینوں حضرات کی ولادت بھی ایک ایسے بحرانی اور پُر آشوب دور میں ہوئی جب مسلمانوں کو ان حضرات کی رہبری و رہنمائی، دانش و تدبّر اور علمی بصیرت کی بے انتہا ضرورت تھی۔ با ایں ہمہ ان تینوں حضرات میں حضرت امام احمد رضاؒ کو اپنی قوّتِ حافظہ، زہد و تقویٰ، طریقِ

استدلال، زود گوئی و زود نویسی اور اجتہاد کے سبب جو شرفِ قبولیت اور عزت و شہرت حاصل ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ وہ بڑے متبحر عالم تھے۔ ان کے تبحرِ علمی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ جن علوم و فنون میں دستگاہ رکھتے تھے ان کی تعداد ۴۵ تک پہنچتی ہے۔ انہوں نے ایک ہزار سے زائد کتابیں اور رسائل تصنیف و تالیف فرمائے۔ آپؒ کی ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ آپؒ صغر سنی ہی میں متداولہ دینی علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے یہاں تک کہ تیرہ برس کی عمر میں فتویٰ نویسی کرنے لگے۔ طریقت کے میدان کے بھی شہسوار تھے۔ متعدد سلسلوں میں آپؒ کو خلافت و اجازت حاصل تھی۔ منجملہ دیگر علوم و فنون کے آپؒ علم عروض میں مہارتِ تامّہ رکھتے تھے۔

اعلیٰ حضرتؒ کے فضائل و شمائل کی جانب جب توجہ مبذول ہوتی ہے تو سرِ فہرست اُن کا جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتا ہے۔ اعلیٰحضرت کی گوناگوں خوبیاں، بلندیٔ معراج و مراتب اور تیزیٔ فہم و فراست صرف اسی ایک جذبہ کے انعامات ہیں۔

شہنشاہِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی تعریف و توصیف ہمارے قومی شاعر علّامہ اقبالؒ نے بھی جا بجا اپنی تصنیفات میں کی ہے۔

فرماتے ہیں :-

ع   کہ عشقِ مصطفےٰ سامانِ اُوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اُوست

اور دوسری جگہ کس قدر صحیح کہتے ہیں :۔

محمدؐ عربی کآبروئے ہر دو سرا ست
کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

درد دل مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ماز نامِ مصطفیٰؐ است

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ از ازل تا ابد آپؐ کی ذاتِ اقدس رہبرِ راہِ حیات اور ذریعۂ بخشش و نجات ہے۔ آپؐ کی تشریف آوری نے نہ صرف برصغیر بلکہ تمام عالمِ انسانیت کو روحانی و اخلاقی اور ایمانی اقدار کو انتہائی شرف و عروج بخشا۔ آپؐ نے کفر و ظلمت اور شرک و الحاد کو نیست و نابود کر کے تمام عالم کے مصائب و آلام کا مداوا و تدارک کیا اور انسان کو انسان کا احترام کرنا سکھایا۔

عشق اُس وقت تک بے معنی ہے جب تک محبوب کا اتباع نہ کیا جائے۔ محبوب کے عادات و شمائل، افعال و اقوال، رفتار و گفتار، عادات و اطوار، اخلاق و خصائل اور پسند و ناپسند کو اپنے لیئے نمونہ بنانا اور تقلید و اتباع کا اہتمام کرنا از بس لازم ہے۔ محبوب کی ہر ادا، ہر انداز، ہر شیوہ، ہر بات، ہر حرکت اور ہر اقدام کو اپنے لیئے مشعلِ راہ بنا کر خود کو اُسی طرز پر ڈھالنا عشقِ صادق کا تقاضا ہے۔ اس لیئے عاشق پر لازم ہے کہ ہر ہر امر میں محبوب کے نقشِ قدم پر چلے۔ اتباعِ کامل کے بغیر عشق کا ہر دعویٰ بے معنی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت امام احمد رضاؒ کے ہاں اسوۂ سرکارِ والا

کی صحیح تقلید اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تڑپ اور حقیقی سوز و گداز ہر جگہ نمایاں ہے۔ آپؒ نے عشقِ رسولؐ ہی سے سرشار ہو کر شاعری کی طرف توجہ فرمائی۔ مگر اس فن کے حصول کے لیئے کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ بلکہ کلامِ الٰہی اور احادیث نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلین بنایا۔ اسی مخزنِ علم و حکمت سے گوہرِ مقصود حاصل کیا۔ اور گلِ مراد سے دامانِ آرزو بھرا۔ آپؒ نے کسی مقام پر بھی شریعت و طریقت کی حدود سے تجاوز نہ کیا۔

لہذا خود فرماتے ہیں :۔

ے قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی احکامِ شریعت رہے ملحوظ

یہی سبب ہے کہ آپؒ کی نعتوں میں شاعرانہ شعور، حکیمانہ بصیرت مصلحانہ تقدّس، معارفِ قرآن و حدیث، اسرارِ عشق و معرفت، زبان و بیان کی دلکشی اور مجتہدانہ شان نہایت آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ آپؒ نے نعتیہ شاعری کو دیگر شعراء کی طرح رسمی طور پر اپنانے کی بجائے ایسی والہانہ محبّت و عقیدت اور شیفتگی و ربودگی کے زیرِ اثر اپنایا کہ مدحتِ شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی توشۂ آخرت اور سرمایۂ حیات تصوّر کیا۔ آپؒ کا مجموعۂ کلام "حدائقِ بخشش" از اوّل تا آخر عشقِ رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے مزیّن و منوّر ہے۔ آپؒ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ، اخلاقِ پسندیدہ اعمال و کردار، خصائل و شمائل اور اسوۂ حسنہ کا بیان جس خوش اسلوبی اور

حُسنِ عقیدت سے کیا ہے وہ اوروں کے ہاں خال خال ہے۔ آپؒ کا کلام وحدانیت وحقانیت، فلسفہ وتصوّف، عجز وانکسار، جذب وکیف اور محبّت وعقیدت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلیقے اور قرینے سے معمور ومملو ہے کہ نکہت ونورِ جمالِ محمدیؐ کی عطر بیزی وضیاء پاشی سے مشامِ جاں اور چشمانِ دل معطّر ومنوّر ہیں۔

"حدائقِ بخشش" میں ایسی بے شمار نعتیں ہیں جن کی سادگی وبرجستگی اور فصاحت وبلاغت کی مثالیں دوسرے شعراء کے ہاں نہیں ملتیں۔ جیسی جیسی نئی ونادر تشبیہات، جیسے جیسے عجیب وغریب استعارات جیسے جیسے رموز وعلائم اور جوجو صنائع بدائع آپؒ نے استعمال کیئے ہیں وہ دوسروں کے ہاں کم ہی نظر آتے ہیں۔

اردو کی نعتیہ شاعری ہماری ایشیائی شاعری کی ایک مستقل صنفِ سخن ہے۔ اس کی عزّت وحرمت، شوکت وعظمت اور اہمیّت وافادیت مسلّم ہے۔ جملہ اصنافِ سخن میں صرف نعت ہی ایک ایسی صنف ہے جو انتہائی دشوار ومشکل اور دقّت طلب ہے۔ اسی بات کے پیشِ نظر مرزا غالب جیسا شاعر بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ :-

ع غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کان ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

حق تو یہ ہے کہ نعت گوئی کے اصول وقوانین اور حدود وقیود کی پابندی صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو واقعی مومن ہو۔ جس کو ازل سے ہی سودائے عشقِ رسولؐ ملا ہو۔ شریعت وطریقت سے بھی باخبر ہو اور حقیقت وواقعیت پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔ اس

سلسلے میں اس مقام پر میں اعلیحضرتؒ ہی کا قول پیش کرنا بہتر تصوّر کرتا ہوں
آپؒ فرماتے ہیں :-

"حقیقتاً نعت لکھنا بڑا مشکل کام ہے جس کو لوگوں نے آسان سمجھ لیا ہے۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور اگر کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں صاف راستہ ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں اصلاً حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"

(الملفوظ۔ حصہ دوم۔ ص ۴۰)

لہٰذا دیکھا گیا ہے کہ میدانِ نعت کے بڑے بڑے باشعور شعراء بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ :ے

"با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

عرفؔی شیرازی جیسے باکمال شاعر کو بھی آخر کار یہی کہنا پڑا کہ ے

ع عرفؔی مشتاب این رہِ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

لیکن جب ہم حضرت امام احمد رضاؒ کی جامع الصفات شخصیت پر غور کرتے ہیں تو آپؒ کی ذاتِ گرامی دیگر شعراء سے نہایت ممتاز و ممیز نظر آتی ہے۔ دراصل جب دل میں آتشِ نبیؐ کی لو لگی ہو تو سوز و گداز اور درد و کسک ایک امرِ بدیہی ہے۔ جب ہم اُن کے سوانح حیات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے شب و روز کے بیشتر لمحات ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں کٹے ہیں۔

یہ ان کا ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو دیگر تمام خصائل و کمالات پر بھاری ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اُن کا وہ عظیم اور قیمتی سرمایہ تھا جسے وہ جان و دل سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ انکی شیفتگی والہانہ انداز اور عشق و وارفتگی کا صحیح اندازہ دیگر کتابوں کے ساتھ "حدائقِ بخشش" کے مطالعہ کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔

چند اشعار یہاں نقل کیئے جاتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی طرف منسوب چیزوں سے انہیں کتنی گہری عقیدت و محبت اور کتنا قلبی و روحانی ربط و لگاؤ تھا۔

ع یاد میں جس کی نہیں ہوشِ تن و جاں مجھ کو
پھر دکھا دے وہ رُخ، اے مہر افزوں مجھ کو
میرے ہر زخمِ جگر سے یہ نکلتی ہے صدا
اے ملیحِ عربی کر دے نمکداں مجھ کو

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبہ کا کعبہ دیکھو

سُبحان اللہ! خاکِ مدینہ۔ یہاں کی خاک دونوں عالم سے بہتر اور بڑھ کر ہے۔ کیا پیارا اور مبارک شہر ہے۔ وہ شہر جہاں ہمارا محبوب آسودۂ خواب ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

ع خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اور اعلیحضرتؒ عشقِ رسولؐ کی یوں ترجمانی کرتے ہیں :۔ ؎

ع جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضاؔ سارا تو سامان گیا

آپؒ چونکہ سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ اسی لیئے مسلمانوں کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جام پلاتے رہے۔ کیونکہ یہی جانِ اسلام و روحِ ایمان ہے

ایک دفعہ فرمایا :۔
"اگر میرے دل کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دو تو ایک پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے پر مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا پاؤ گے"

یہ امر واقع ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب محبّتوں سے بالا تر محبّت نہ ہوگی، ایمان کا دعویٰ باطل قرار پائے گا۔ گویا سیّد المرسلین خاتم النبیّن کے ساتھ انتہائی محبّت ہی شرطِ ایمان اور عین اسلام ہے۔ اس شرط کو صحابہ کبارؓ نے کما حقہٗ پورا کیا۔ ان قدسی صفات ہستیوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بے پناہ عشق و محبّت سے سرشار ہو کر جان نثاری اور فداکاری کی وہ درخشاں اور قابلِ رشک مثالیں پیش کیں جن سے تاریخ انسانی کا دامن بالکل تہی تھا۔ اسی طغیانِ محبّت نے مسلمانوں کو تھوڑے ہی عرصہ میں برگزیدۂ عالم و عالیشان بنا دیا۔ دراصل دنیاوی زندگی کی ساری نعمتیں اور حیات اخروی کی تمام سعادتیں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ محبّت ہی کے ثمرات ہیں۔

مسلمانوں میں جب تک یہ رسمِ محبّت پورے اخلاص کے ساتھ کارفرما رہی۔ اقوامِ عالم میں اُن کا پایہ سب سے بلند رہا۔ لیکن جونہی اس محبّت کے اندر بعض آمیزشوں نے راہ پائی ملّتِ اسلامیہ کو ہمہ جہت زوال و انحطاط نے آلیا۔

دراصل محبّت نعمائے الہٰی میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے۔ جسے یہ نعمت مل گئی اُسے سب کچھ مل گیا۔ انعامات قابلیّت کے اعتبار سے ہی دیئے جاتے ہیں۔ ادنیٰ انعامات کثرت میں تقسیم ہوتے ہیں تو اعلیٰ انعامات قلّت کے حصّہ میں آتے ہیں۔ اور جب انعام اعلیٰ ترین ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے پانے والے بھی خال خال ہی ہوں گے۔ خود منعم بھی اس قسم کے انعام کو ارزاں نہیں ہونے دیتا۔ چنانچہ محبّت کا انعام جو تمام انعامات سے افضل و اعلیٰ ہے، اگر کسی کو مل جاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس کے پانے والے کی خوبیٔ قسمت منفرد ہے۔ ؎

کنند جیب پُر از سیم و زر ہزاراں را
متاعِ عشق و لیکن بہ ہر کسے نہ دہند

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت تمام محبّتوں کی سرتاج ہے اس عالم کی ساری محبّتیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت میں گم ہو جاتی ہیں۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبّت اصل ایمان ہے۔ محبّت صرف محرّکِ عمل ہی نہیں بلکہ بجائے خود ایک عمل بھی ہے۔ ایمان و عمل پر ہی زندگی کی دنیاوی کامرانیوں اور اُخروی شادکامیوں کا دار و مدار ہے۔ زندگی کی تفصیلات سے نکل کر جب

اس کے اجمال پر نظر کرتے ہیں تو دل پکار اٹھتا ہے ؎

زندگی عشقِ محمدؐ ہست و بس

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مذکورہ بالا حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیحضرت مولانا احمد رضا قدس سرہ العزیز نے زندگی کی حقیقی تعبیر کو پا لیا تھا ؎

ع ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(حافظ شیرازی)

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین

اس نور کی جلوہ گہہ تھی ذاتِ حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کیے

آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسینؓ

پروفیسر کرم حیدری

پروانۂ شمعِ رسالت

چند سال اُدھر کی بات ہے میں نے پاکستان نیشنل سنٹر اسلام آباد میں ایک مشہور و معروف تاریخی شخصیت کے بارے میں تقریر کی۔ میری تقریر چونکہ حقائق پر مبنی تھی اور تقریر کے دوران میں نے انگریز مصنّفین کی تحریروں کے حوالے بھی دیئے تھے۔ لہٰذا حاضرین خاصے متاثر ہوئے اور جیسا کہ ہوتا ہے بعض حضرات نے تقریر کے بعد میری تقریر کی توصیف سے مجھے شرمندۂ احسان بھی کیا۔

تیسرے چوتھے دن ایک مولانا میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے بھی اس تقریر کا تذکرہ فرمایا۔ تاہم اُن کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ میں نے جن صاحب کے بارے میں تقریر کی تھی ان سے میری نیازمندی محض عقائد کی وجہ سے تھی۔ حالانکہ میری اُن سے عقیدت اُن کی ملّی اور مجاہدانہ خدمات کی بناء پر تھی اور ہے۔

میں نے اپنے محترم ملاقاتی کے خیالات کو بھانپتے ہوئے کہا "جناب جہاں تک میرے ممدوح کا تعلق ہے میں اُن کی توصیف اُن کے مجاہدانہ عملی زندگی کی بناء پر کرتا ہوں۔ اس لیئے نہیں کہ وہ فلاں دینی عقیدہ رکھتے تھے۔ اور جہاں تک میرے اپنے دینی عقیدے کا تعلق ہے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو اُن کے بشر ہوتے ہوئے بھی

تمام بشری کمزوریوں سے مبرّا اور پاک سمجھتا ہوں اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس شعر پر ایمان رکھتا ہوں کہ :- ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے لیکن میں کسی بشر کے ساتھ چاہے وہ کتنا ہی بلند مرتبت ہو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تقابل اور تماثل سوءِ ادب شمار کرتا ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جن معنوں میں بشر تھے اس کا ادراک صرف دین کا علم پڑھ لینے سے نہیں ہوتا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے اُسے دل کے اندر اتارنے سے ہوتا ہے۔ اس لیئے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا مفہوم صرف عربی زبان کی صرف ونحو جاننے سے نہیں آتا۔ صرف و نحو سے گذر کر مقامِ محبت تک پہنچنے سے آتا ہے۔"

یہ اپنے اپنے سمجھنے کی بات ہے۔ قرآنِ حکیم میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے کئی مقامات پر عَبْدُہٗ آیا ہے۔ اس عبدہٗ کو دوسرے لوگ جو سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں۔ علاّمہ اقبالؒ نے اس طرح سمجھا اور سمجھایا کہ ؎

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

عبدہٗ دہر است و دہر از عبدہٗ ست
ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بوست

عبد اور چیز ہے اور عبدہٗ اور چیز۔ ہم عبد ہیں اور کسی کا انتظار کر رہے ہیں لیکن جس کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ عبدہٗ ہے۔ عبدہٗ زمانہ ہے اور زمانہ

عبدہٗ سے ہے۔ ہم سب کسی نہ کسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں مگر عبدہٗ
بے رنگ و بو ہے۔ یعنی وہ عبدِ مطلق ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

کس ز سرِ عبدہٗ آگاہ نیست
عبدہٗ جز سرِ اِلّا اللہ نیست
لَا اِلٰہَ تیغ دو دم اُو عبدہٗ
فاش تر خواہی بگو ہُو عبدہٗ

اور آگے چل کر کہتے ہیں۔ ؎

مدّعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ مَا رَمَیْتَ

یعنی ان دو چار شعروں سے مدّعا پوری طرح کُھلتا نہیں جب تک کہ انسان
مقامِ مَا رَمَیْتَ سے مشاہدہ نہ کرے اور مَا رَمَیْتَ کی آیت اس طرح ہے
کہ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللہَ رَمٰی (الانفال۔ ۱۷)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اقبال نے تا نہ خوانی از مقامِ مَا رَمَیْتُ
نہیں بلکہ تا نہ بینی کہا ہے۔ یعنی صرف پڑھ لینے سے بات سمجھ نہیں آسکتی۔
اُس وقت سمجھ آسکتی ہے جب انسان مقامِ مشاہدہ پر پہنچے۔ لہٰذا رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ و مقام سمجھنے کے لیئے انسان کو مقامِ شہود تک پہنچنے
کی ضرورت ہے۔ اور مقامِ شہود تک تو بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔ لہٰذا خلقِ خدا
کا جمِ غفیر جو اس مقامِ شہود تک نہیں پہنچ سکتا جہاں انسان پر مقامِ مصطفٰے
منکشف ہوتا ہے اُسے چاہیئے کہ جنکی قوتِ مشاہدہ کامل ہو چکی ہے اُن
کی شہادت پر اپنے قلب کو مطمئن کرے۔

علامہ اقبالؒ اسی جگہ پر غالب کی زبانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کے متعلق یہ الفاظ کہلواتے ہیں ؎

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست

رحمتہ اللعالمینی انتہاست

اور حسین منصور حلاج کی زبانی کہلواتے ہیں ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو

آں کہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نورِ مصطفےٰ اور ابہاست

یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

امتِ مسلمہ کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ رہی کہ جو ذات تمام عالموں کے لیئے رحمت ہے وہ ذات اس امت کی اپنی ہے۔ مگر ظاہر بین علماء نے اس ذاتِ کوالاصفات کے صحیح مقام و مرتبہ کو نہ پہچانا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت کی نگاہوں سے اُس ذات کا مقام اور مرتبہ اوجھل ہوتا چلا گیا۔ اور مکافاتِ عمل یہ ہوئی کہ امت کا اپنا کوئی مقام اور مرتبہ نہ رہا۔

حضرت امام احمد رضا بریلویؒ کی بہت بڑی دینی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے امت کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردوں کو ہٹانے کی کوششوں میں اپنی زندگی صرف کی اور اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے وہ امت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اُن کے دل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت تھی وہ اُن کے کلام سے ظاہر ہے۔ اُن کا سلام آج زبان زدِ خاص و عام ہے اور آج لاکھوں مسلمان برصغیر میں اور برصغیر سے باہر اس سلام کو

انتہائی عقیدت اور محبت سے پڑھتے ہیں۔ اسی طرح لاکھوں انسانوں کی طرف سے جہاں بارگاہِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت پیش ہوتا ہے وہاں اِس نذرانۂ عقیدت کے تخلیق کار کی رُوح پر فتوح بھی برکات سے مشرف ہوتی رہتی ہے۔

حضرات! اس امر میں کسی انکار کی گنجائش نہیں کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اشعار ؎

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدّجیٰ بجمالہٖ

کے بعد دنیا میں جو سلام سب سے زیادہ مقبول ہے وہ حضرت امام احمد رضاؒ کا سلام ہے ؎

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جانِ رحمت ہیں اور بزمِ ہدایت کی شمع بھی ہیں قرآنِ حکیم میں جہاں آپؐ کو رحمۃ اللعالمین اور رحمۃ اللمومنین کہا گیا ہے اور بہت سے دوسرے القابات اور خطابات سے بھی نوازا گیا ہے وہاں ایک خطاب سراجِ منیر بھی ہے۔ یہ سراجِ منیر مخلوقِ خدا کے دلوں کو منوّر کرنے والا ہے۔ منوّر وہی دل ہوں گے جو اِس سراجِ منیر کی طرف کھنچیں گے۔ جو دل جتنے زیادہ کھنچیں گے اتنی ہی اُن میں نور کی مَوّاجی زیادہ ہوگی۔ اور جو دل اُس شمع کے پروانے بن کر اپنے آپ کو اُس پر قربان کر دیں گے اُن کا مقام تو سبحان اللہ! میرے خیال میں امام احمد رضاؒ کا دل ایک ایسا دل تھا جو شمعِ رسالتؐ کا پروانہ تھا۔ اِس لیئے اُس نے جتنا

نور اخذ کیا اتنا نور بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہو گا۔

جب تک میں نے جناب موصوف کی زندگی اور کارناموں کا گہرا مطالعہ نہ کیا تھا، میں اُن کی عظمت سے آگاہ نہ تھا۔ لیکن جب میں نے اُن کی زندگی کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا تو مجھے قائل ہونا پڑا کہ وہ اس دور کے بہت بلند مرتبہ امام تھے۔ اور جب میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت علّامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کی یہ رائے پڑھی کہ "اُن کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے۔ اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہہ تھے"، تو موصوف کی عظمت کے بارے میں میری رائے میں ذرّہ برابر شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

علّامہ اقبال نے فرمایا ہے "بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست"
جہاں تک میں نے امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت اور اُن کے قول و فعل کا مطالعہ کیا ہے مجھے اس حقیقت کا کلیتہً اعتراف ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو مصطفےٰ کی ذات والا صفات تک پہنچا دیا تھا۔ اور نہ صرف پہنچا دیا تھا بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا ایک کامل نمونہ بن گئے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے بارے میں بھی بعض حضرات کے تصوّرات عجیب ہوتے ہیں۔ میں نے ایک بار ایک صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرتے ہوئے اُن سے عرض کیا کہ کیا آپ نے کبھی اس آیتِ کریمہ کے حقیقی مفہوم پر غور کیا ہے؟ کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ تو وہ فرمانے لگے کہ اس کا مطلب تو واضح ہے۔

میں نے عرض کیا "نہیں اتنا واضح نہیں جتنا آپ سمجھتے ہیں۔"

بولے: "آپ وضاحت کیجیے۔"

میں نے کہا: "اس آیتِ کریمہ میں خدا سے محبّت کا دعویٰ کرنے والے اور نبیؐ کریم کی متابعت کرنے والے کے درجوں میں جو فرق ہے وہ واضح کیا گیا ہے۔"

چونک کر فرمانے لگے: "وہ کیسے؟"

میں نے عرض کیا "جناب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم مجھ سے محبّت کا دعویٰ کرتے ہو تو نبیؐ کی متابعت کرو۔ اللہ تعالیٰ کی محبّت کے متعلق تم حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ اُس کی بارگاہ میں قبول ہوگی یا نہیں۔ اور اگر قبول ہو جائے تو بھی تم اللہ تعالیٰ کے محب ہوگے۔ لیکن اگر رسولؐ کی متابعت کروگے تو اللہ تعالیٰ تم سے محبّت کرے گا اور تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤگے۔ اب محب اور محبوب کے درجوں میں جو فرق ہے وہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔"

میرے مخاطب چونکہ صاحبِ علم تھے لہٰذا انہوں نے فوراً یہ علمی نکتہ نکالا کہ "رسولؐ کی متابعت کا حکم ہے۔ ہم لوگ متابعت تو کرتے نہیں محبّت محبّت پکارتے رہتے ہیں۔"

میں نے عرض کیا کہ بغیر محبّت کے متابعت تو غلامی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے غلامی کو مٹایا۔ آنحضورؐ کی غلامی باعثِ فخر ہے لیکن یہ غلامی تو آزادیٔ فکر اور آزادیٔ رائے کا سرچشمہ ہے۔ اگر ہم محبّت کیے بغیر آنحضورؐ کی متابعت کریں گے تو وہ متابعت بے روح ہوگی۔ آخر ہم انگریزوں کے دور میں اُن کے احکام کے تابع بھی تو رہے ہیں لیکن کیا ہمارے دل میں اُن کی محبّت تھی؟ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی متابعت میں ہم اگر نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقہ و خیرات کرتے ہیں لیکن دل کے اندر اگر حضورؐ کی محبّت کی حرارت نہ ہو تو ہمارے اُن اعمال کی کیا قدر و قیمت ہو گی۔ کیا ہم نمازیوں کی اس قطار میں شامل نہ ہوں گے جن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ :- فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ہ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ہ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ہ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ؕ

حقیقت یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح اور کامل اتباع ممکن ہی تب ہوتا ہے جب آنحضورؐ کی محبّت دل میں سمائی ہو۔ اس محبّت کی برکت سے صرف دینی ہی نہیں دنیوی معاملات میں بھی انسان کو وہ بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ سنّتِ رسولؐ کا سچّا پیرو ہو جاتا ہے۔ حضرت امام احمد رضاؒ نے بعض سیاسی فیصلے بھی ایسے کیئے ہیں جن میں بصیرتِ نبویؐ نے اُن کی رہنمائی کی۔ اُن میں ایک فیصلہ تحریکِ ترکِ موالات کے بارے میں تھا۔ چونکہ اس تحریک کے رہنما ہندو لیڈر تھے۔ لہٰذا ۱۹۲۰ء میں انہوں نے ایک رسالہ تحریر کیا جس میں کفار و مشرکین سے اختلاط اور اُن کے ساتھ سیاسی اتحاد کے خطرناک نتائج کا بیان ہے۔ اُن کے معتقدین نے "جماعت رضائے مصطفٰےؐ" قائم کی جس کا دوسرا نام "جمہوریتِ اسلامیہ مرکزیہ" رکھا گیا۔ اس جماعت "رضائے مصطفٰےؐ" نے ہندو مسلم اتحاد و اختلاط کے خلاف کام کیا۔ بعد کے سیاسی واقعات نے ثابت کر دیا کہ "جمعیتہ العلمائے اسلام" جو مولانا ابو الکلام آزاد کے تابع فرمان تھی اس کی سیاسی حکمتِ عملی مسلمانانِ برصغیر کے مفاد کے خلاف تھی جبکہ مولانا احمد رضا علیہ الرحمتہ نے جو سیاسی مسلک اختیار کیا تھا وہ درست اور امّت کے مفاد میں تھا۔

اس دور میں امام احمد رضاؒ کے مسلک پر چلنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہماری بازیافت اور مستقبل میں قومی اور ملّی پیش رفت کے لیئے انتہائی ضروری ہے۔ تاہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ عامۃ المسلمین سے بھی محبت کی جائے۔ اور اس محبت میں وسعتِ قلب بھی ہو ورنہ مسلک اور مکتبِ خیال سے معمولی اور فروعی اختلافات کو مخاصمت کا سبب بنا لینے سے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ مومنانہ اخوت کو قائم کرنے کے لیئے تمام مسلمانوں کی محبت کو دل میں بسانا چاہیئے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب ہم لوگوں کے ساتھ قرآنی احکام کے مطابق نرمی اور دانش و حکمت کا راستہ اختیار کریں۔ جس کے بارے میں قرآن حکم دیتا ہے کہ:۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ

سید انور علی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

امام احمد رضاؒ

ایک جسٹس کی نظر میں

وصیت و وراثت سے متعلق جسٹس محمد دین صاحب
چیف کورٹ بہاولپور کا امام احمد رضا علیہ الرحمۃ سے التماس
(۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ)

اعلیحضرت احمد رضا خانؒ عالم اسلام کی اُن چند نابغۂ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جو صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں ۔ اور جن کے علم و عرفان کی روشنی ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں بندگانِ خدا کو راہِ حق دکھاتی ہے ۔ باوجود اس کے کہ برِّ صغیر کی تاریخ میں کوئی اور اُن کے مرتبے کا عالم پیدا نہیں ہوا ، اُن کے مخالفین نے شکوک و شبہات اور غلط بیانی کے ذریعہ اُن کی شخصیت اور کمالاتِ علمی کو دبانے کی بھرپور کوشش کی مگر پچھلے چند سالوں میں کچھ اہلِ حق آگے بڑھے اور اپنے تحقیقی مقالوں کے ذریعہ اعتراضات کو رد کر کے اعلیحضرتؒ کی باکمال شخصیت کو اُس کے صحیح خدوخال میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا ۔ اس سلسلہ میں محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب کا نامِ نامی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہے ۔ بالخصوص پاکستان میں غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے قلم کی پوری توانائی اہلِ علم کو

لہ فتاویٰ رضویہ یازدھم ۔ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۔ (ص ۱۹۵ تا ۲۶۰)

اعلیحضرتؒ کے علمی کمالات سے روشناس کرانے کے لیئے وقف کر دی۔
اورہ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں،
حیاتِ مولانا احمد رضا خان، گناہِ بے گناہی، امام احمد رضا خان اور عالمِ اسلام"
اور "اجالا" جیسی بلند پایہ تحقیقی کتابیں قلمبند کر کے اہلِ علم کے ذہنوں سے
تمام شکوک و شبہات کو دور کیا اور انہیں اعلیحضرتؒ کے علمی کمالات کو
سمجھنے اور اُن پر کام کرنے پر آمادہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونیورسٹیوں اور
کالجوں میں اعلیحضرتؒ پر کام کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ اور ہندوستان و
پاکستان کی یونیورسٹیوں میں کام ہوا اور ہو رہا ہے۔

اس سلسلہ میں محترم المقام جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہٗ
کا اسمِ گرامی بھی قابلِ ذکر ہے جنہوں نے مرکزی مجلس رضا لاہور سے
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود صاحب کی کتابوں کو شائع کیا اور ملک کے گوشہ
گوشہ میں اہلِ علم تک مفت پہنچایا۔ ایک اور مردِ حق جو اس میدان میں
شہ سوار نکلے وہ جناب سیّد ریاست علی قادری رضوی صاحب ہیں۔
جنہوں نے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی میں قائم کر کے اعلیحضرت
پر کام کی راہوں کو وسعت دی۔ مندرجہ بالا آخری دو کتابیں اسی ادارہ سے
شائع ہوئی ہیں۔ نیز دائرۂ معارفِ امام احمد رضاؒ اور معارفِ رضاؒ کے نام
سے نادر تحقیقی مقالات کے مجموعے بھی اسی ادارہ نے شائع کیئے ہیں۔
اوّل الذکر کتاب میں اعلیحضرتؒ کی شخصیت اور کمالاتِ علمیہ پر عنوانات کی
نشاندہی کر کے "سوانحی انسائیکلوپیڈیا"، کا خاکہ پیش کیا ہے۔ جو اندازاً
پندرہ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوگا۔ ایک اور نمایاں خدمت جو یہ ادارہ انجام
دے رہا ہے وہ ہر سال امام احمد رضاؒ کانفرنس کا انعقاد ہے۔ اس کانفرنس

کے ذریعہ اعلیحضرت کے متعلق معروف دانشوروں اور ممتاز اسکالروں کے خیالات سے عوام کو روشناس کرایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور ادارہ جس نے اعلیحضرتؒ پر کام کا بیڑا اٹھایا ہے وہ مجلسِ رضا، کراچی ہے۔ جس کے صدر جناب لیاقت علی پراچہ ہیں۔ نائب صدر امتیاز خان قادری اور جنرل سکریٹری حنیف رحمانی صاحب ہیں۔ یہ ادارہ اگرچہ گذشتہ سال قائم ہوا ہے مگر اس نے کئی مطبوعات شائع کی ہیں۔ مثلاً گناہ بے گناہی کو دوبارہ شائع کیا۔ نیز محی الدین الواحی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا۔

علاوہ ازیں ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی تین چار سال کے مختصر عرصہ میں اب تک تقریباً چودہ کتابیں شائع کر چکا ہے۔ جس میں سے بیشتر کتب امام احمد رضاؒ کی تالیفات ہیں۔

اعلیحضرتؒ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، بے شمار علمی تحقیقات کا خزانہ ہے۔ اس میں ان گنت ایسے فتاویٰ نظر آتے ہیں جن میں آپؒ نے مسئلہ کو نہ صرف دلائل و حقائق سے مبرہن کیا بلکہ اقوالِ آئمہ سے بھی مزین کیا۔ اعلیحضرت کا فقہ میں بہت اونچا مقام ہے۔ پاکستان کے ریٹائرڈ چیف جسٹس جناب جسٹس قدیر الدین احمد صاحب نے اعلیحضرتؒ کی دوسری کتابوں کے علاوہ فتاویٰ رضویہ کا بھی مطالعہ کیا امام احمد رضاؒ کانفرنس منعقدہ تھیوسوفیکل ہال کراچی۔ مورخہ ۱۸، دسمبر ۱۹۸۲ء میں اپنی تقریر میں اعلیحضرتؒ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اُن کی فقیہانہ بصیرت کی دل کھول کر تعریف کی۔ اعلیحضرت کی شاعری کے متعلق آپ نے کہا کہ، اعلیحضرتؒ کی شاعری کے متعلق جو کیفیت ہے جب ہم

دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جذبات دل سے اُبل رہے ہیں۔ جیسے الفاظ تڑپ تڑپ کر زبان پر آ رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؒ کو دنیا و آخرت اُن ہی کے قدموں میں نظر آ رہی ہے اور پڑھنے والوں کو محسوس ہوتا ہے کہ واقعی لغت گوئی میں جس قسم کی گہرائی اور جس قسم کی تڑپ پیدا کی جاسکتی ہے اُس کا کمال اِس میں موجود ہے۔"

جناب جسٹس قدیرالدین احمد صاحب نے اپنی تقریر کے ابتدائی جملوں میں اعلیحضرتؒ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ سے فرمایا "آپ کے اس جلسے کی کامیابی کی ضمانت میں شروع ہی سے دے سکتا ہوں۔ اور وہ اس طرح کہ آج کے جلسے کی بدولت مجھے مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کی ذات، اُن کے کارنامے اور اُن کی خوبیوں کو معلوم کرنے کا موقع ملا۔ میں نے اعلیحضرتؒ کا نام سُنا ضرور تھا لیکن مجھے یہ خوبیاں، یہ منزلت اور اُن کے کام اور اُن کی خدمات کا اندازہ نہ تھا۔ آپؒ کا تبحرِ علمی، ذکاوت، سمجھ اور پہنچ کس درجہ تھی۔ کس بلا کی تھی کہ ایسے مسائل کو جو لوگوں کے لیئے مشکل ہوں اتنی آسانی سے حل فرما سکتے تھے۔"

مجھے فتاویٰ رضویہ کی گیارھویں جلد دیکھنے کا موقع ملا۔ جس میں بیشمار مسائل کے حل قرآن وسنّت اور اقوالِ آئمہ کی روشنی میں دیئے گئے ہیں۔ اُسی جلد میں وصیّت و وراثت سے متعلق ایک فتویٰ کا جواب جو چھیاسی صفحات پر مشتمل ہے پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اعلیحضرتؒ کے ایک اہم اور نہایت مفصّل فتوے پر مشتمل ہے۔ فتوے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ یہ عدالتِ عالیہ بہاولپور کے ایک

فاضل جج جناب محمد دین صاحب نے بہت سے علمائے وقت کے فتووں سے مطمئن نہ ہو کر حاصل کیا۔ اور پھر اسی کے مطابق زیرِ سماعت مقدمہ کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ اس فتوے کی تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے۔ فاضل جج کی جانب سے زیرِ سماعت مقدمہ میں وصیت اور وراثت کے متعلق پیدا شدہ نکات کو سات مختلف سوالات کی صورت میں اعلیٰحضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اعلیٰحضرتؒ نے پہلے چند مختصر الفاظ میں اُن کا یہ جواب عنایت کیا۔

"مندرجہ سوال حالات میں مسمیٰ واحد بخش کی متروکہ جائداد میں سے پہلے اوسکی تجہیز و تکفین شرعی کا جس میں رواجی صدقات و خیرات شامل نہیں ہے، خرچ ادا کرنے کے بعد اس کی بیوہ مسمات خاتون کا حق مہر جس قدر عدالت کی رائے میں ثابت ہو ادا کریں گے۔ اس حق مہر ادا کرنے کے بعد جس قدر جائداد منقولہ یا غیر منقولہ باقی بچے اوس کے تین حصے کر کے دو حصہ مسمات عالم خاتون بیوہ واحد بخش کو اور ایک حصہ شاہ محمد خان کو دیں گے۔"

اور اس کے بعد فتوے کے جواز پر تمام سوالات کے حوالہ سے فرداً فرداً قرآن و سنّت اور علمائے سلف کے اقوال کی روشنی میں مفصّل بحث کی ہے۔ جس کے ہر ہر پہلو سے فقہ میں اعلیٰحضرتؒ کی وسعتِ علم اور گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔ اور دیگر علماء پر اُن کی فوقیت ثابت ہوتی ہے۔

عدالتی نقطۂ نظر سے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس فتوے میں اعلیٰحضرتؒ کا اندازِ تحریر وہی ہے جو دلیوانی مقدمات کے فیصلوں میں

بالعموم عدالت عالیہ اور عدالتِ عظمیٰ کا ہوتا ہے۔ یعنی پہلے واقعات کی تفصیل، پھر نکات کی نشاندہی، پھر مباحث کا ما حصل اور اس کے بعد تفصیلی بحث۔ بہر حال یہ فتویٰ عدالتِ عالیہ بہاولپور کے فیصلہ کی بنیاد بنا اور آئندہ کے فیصلوں کے لئے ایک نظیر ثابت ہوا۔ اس مقام پر یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا کہ جو اصول اس فتوے میں بیان کیئے گئے ہیں وہ قرآن اور سنّت کے عین مطابق ہیں۔ اور عصرِ جدید میں اسلامی قوانین پر جو کتابیں برصغیر کی عدالتوں میں سند مانی جاتی ہیں یعنی مُلّا، امیر علی اور طیب جی۔ ان میں بیان کردہ اصول بھی وہی ہیں جو اس فتوے میں بیان کیئے گئے ہیں۔

اس فتوے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ علمائے حرمین اور علمائے عرب و عجم نے آپؒ کو امام المحدثین، خاتمتہ الفقہاء، سلطان العلماء المحققین جیسے القاب سے کیوں نوازا؟ اور بمبئی ہائی کورٹ کے پارسی جج اور ممتاز قانون داں پروفیسر ڈی ایف ملاّ نے فتاویٰ رضویہ کو فقہ حنفیہ کا عظیم شاہکار کیوں قرار دیا۔ اور کیا بات تھی کہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، بنگلہ دیش، روس، چین، امریکہ، افریقہ حتیٰ کہ حرمین شریفین سے آپؒ کے پاس فتوے آتے تھے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جایا کرتے تھے۔

بلاشبہ امام احمد رضاؒ کی صحبت نے عالموں کو مفتی بنا دیا۔ اور ایسا باکمال، کہ پھر ان کی صحبت نے دوسرے علماء کو مفتی بنا دیا۔ چودہ سال سے کم عمر میں آپؒ فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی عمر میں فتوے لکھنا شروع کیا اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک فتوے لکھتے رہے جو ایک

ریکارڈ ہے۔

ایک مفتی کے لیئے جن امور کی ضرورت تھی آپؒ اُن سب کے جامع تھے۔ آپؒ دورِ جدید کے مفتیوں کی طرح مفتی ناقل نہ تھے بلکہ خود اپنی نظر رکھتے تھے۔ دوسروں کی عقل پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے آپؒ کے فاضلانہ فتوے پر رائے دیتے ہوئے کہا تھا کہ آپؒ جو حکم صادر کرتے ہیں بڑے غور و فکر کے بعد صادر کرتے ہیں اسی لیئے آپؒ کو فیصلے بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔"

عقیدت کے پردے ہٹا کر اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اہلِ علم و دانش کو آپؒ کے ہم پلّہ کوئی مفتی نظر نہ آئے گا۔ بے شک وہ یادگارِ سلف تھے اور بقول ایک عرب عالم چودھویں صدی ہجری میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ تھے۔

تعلق سے اولیاء اولیاء سے رسل

اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبیؐ

امام احمد رضاؒ

ڈاکٹر سید مطلوب حسین

اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاںؒ کی سیاسی بصیرت

سیاست شیوۂ پیغمبراں بود
دریں ایام کارِ بولہب شد

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق سیاست انبیاء علیہم السلام کا شیوہ تھا۔ کیونکہ اس کی تمام تر بنیاد احسان و شرافت پر تھی۔ قرونِ اولی کے بعد اگرچہ اس کا یہ معیار قائم نہیں رہا تاہم ہر دور میں اسلامیانِ عالم میں کوئی نہ کوئی ایسی شخصیت ضرور گزری ہے جس نے یا تو عملی سیاست میں شیوۂ پیغمبری کو قائم رکھتے ہوئے امّتِ اسلامیہ کو پستی سے نکالا یا اپنی سیاسی بصیرت سے مسلمانوں کو ایسا شعور اور لائحہ عمل دیا جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ کو تازگی، شگفتگی اور نمو ملی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاںؒ کا شمار دوسری قبیل کے رہنماؤں میں ہوتا ہے۔

جس زمانے میں انھوں نے شعور کی آنکھ کھولی، برِّصغیر

میں مسلمانوں کی زوال آشنا قوت انحطاط کی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کے شاندار ماضی کی آخری علامت بھی مٹ چکی تھی۔ سیاسی طور پر وہ اپنا سابقہ ارفع و اعلیٰ مقام کھو چکے تھے۔ اُن کی معاشی، تعلیمی اور معاشرتی حالت دگرگوں تھی۔ اُن کے علماء اور ثقافتی مراکز تباہ کر دیئے گئے تھے۔ وسطِ ہند میں مسلم تہذیب و تمدن کے بڑے بڑے شہروں کو اس طرح لوٹا کھسوٹا گیا تھا کہ لوگوں کے گھروں میں چارپائی تک نہ چھوڑی تھی۔ اور جس قدر بھی نایاب کتابیں، خطاطی اور مصوری کے نادر نمونے اور نایاب دستاویزات ہاتھ لگیں انہیں یورپ منتقل کر دیا گیا۔ اُن کے مقابلے میں اہلِ ہنود اپنے نئے آقاؤں کی عنایات اور مہربانیوں کے سبب ترقی و خوشحالی کی منازل طے کرنے لگے۔ حتیٰ کہ برطانوی حکومت کے ایک ریٹائرڈ افسر نے ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیا د رکھی جو بظاہر ہندوستان کے تمام باشندوں کے سیاسی اور سماجی حقوق کے تحفظ کے لیئے قائم کی گئی تھی لیکن اس کے منشور کی پہلی شق ہی سے اس گھناؤنے مقصد کی قلعی کھلی جاتی ہے۔ یہ شق ان الفاظ پر مبنی تھی :۔

" برصغیر کی تمام آبادی کو ایک قومیت میں منسلک کرنا "۔

گویا کانگریس کا بنیادی مقصد ہی اسلامی تشخص کو ختم کرنا تھا۔ اس کے باوجود مسلم رہنما اپنی سیاسی زندگی کے کسی نہ کسی دور میں اس جماعت کے ساتھ منسلک ضرور رہے۔ اعلیٰحضرت احمد رضا خانؒ واحد اسلامی شخصیت تھے جس نے شروع ہی سے اس جماعت کی مخالفت کی۔ کیونکہ اُن کے نزدیک کفر اور اسلام میں الحاق ممکن ہی نہیں تھا۔ اسلیئے

انہوں نے زندگی بھر انگریز اور ہندو سے جنگ جاری رکھی۔ انہیں کفار و مشرکین سے خدا واسطے کا بیر نہ تھا۔ وہ تو بس یہ چاہتے تھے کہ کفر اور اسلام اپنے اپنے دائروں میں رہیں۔ وہ کفار و مشرکین کے ساتھ وہ سلوک روا رکھنا چاہتے تھے جو اسلام نے روا رکھا۔ اُن کی یہ خواہش تھی کہ اسلام ہمیشہ پھلتا پھولتا رہے اور کوئی اسے برباد نہ کرنے پائے۔ وہ ایک لمحہ کے لیئے بھی اس کو برداشت نہ کر سکتے تھے کہ اسلام کی عظمت و شوکت کسی دوسرے دین و مذہب کی بھینٹ چڑھا دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب پاک و ہند کے بعض مسلمانوں نے سحر سیاست سے مسحور ہو کر شریعت کے تقاضوں کو نظر انداز کیا، اور کفار و مشرکینِ ہند کے ساتھ ایسا اتحاد کیا جس سے اسلام کی توہین اور مسلمانوں کی تذلیل ہونے لگی، شعارِ اسلام مٹائے جانے لگے، مسلمان بے دریغ قتل کیئے جانے لگے، گھروں سے نکالے جانے لگے اور نارِ نمرود میں ڈالے جانے لگے تو پھر امام احمد رضاؒ نے سختی سے اس اتحاد کی مخالفت کی اور اپنی پوری توانائیاں اس اتحاد کے خلاف صرف کر دیں۔ اُنہوں نے اوّل روز جو فیصلہ کیا تھا وہ اس پر آخر دم تک قائم رہے۔ اسی لیئے علّامہ اقبالؒ نے اُن کے بارے میں کہا تھا:-

"احمد رضاؒ بڑے غور و فکر کے بعد فیصلہ کرتے ہیں۔ اس لیئے کبھی رجوع کی نوبت نہیں آتی۔"

سیاسی نشیب و فراز کی بات ہو یا دینِ اسلام کے بنیادی تقاضے، اعلیحضرتؒ کا اوّل و آخر فیصلہ یہی تھا کہ انگریز خارجی عنصر ہے اس لیئے اُسے برصغیر میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اہلِ ہنود اگرچہ

مقامی باشندے ہیں لیکن کافر ہیں۔ اس لیئے اُن سے اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے معاملات تو ہو سکتے ہیں، موالات نہیں۔ اس نقطۂ نظر سے اُنہیں ایک لحاظ سے دو قومی نظریئے کا بانی کہا جاتا ہے۔ یہاں پر ایک امر کی وضاحت کر دی جائے کہ اعلیٰحضرت سے قبل یا اُن کے زمانے میں جن مسلم رہنماؤں نے دو قومی نظریہ کے بارے میں اظہارِ خیال کیا یا تو اس میں ابہام تھا یا اُس کی حیثیت محض نظریاتی تھی مگر اعلیٰحضرتؒ نے اگرچہ واضح طور پر اس مسئلہ پر روشنی نہیں ڈالی۔ لیکن اپنے اعمال و افعال سے یہ ثبوت بہم پہنچایا کہ ہندوستان میں رہ کر اہلِ ہنود سے سیاسی یا وقتی مصلحت کے تحت سمجھوتا ممکن نہیں۔ اُن کی فراستِ ایمانی اور بصیرتِ نورانی حادثات و واقعات سے بہت پہلے اُن کا ادراک کر لیتی تھی۔ اس لیئے انہوں نے دو قومی نظریہ کا عملی مظاہرہ اُس وقت کیا جب ڈاکٹر اقبالؒ اور قائداعظمؒ بھی ایک قومی نظریئے کے دل و جان سے قائل تھے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان قومی رہنماؤں کا خیال جب اس سمت مائل پرواز ہوا، حضرت احمد رضا خاںؒ اُس سے بہت عرصہ پہلے اپنے حلقۂ اثر میں اس نظریئے کا بیج بو کر اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار کر چکے تھے۔

وہ لوگ جن کو دو قومی نظریئے کی بات پسند نہ تھی اور دعویٰ اسلامیانِ ہند کے مفاد کا کر رہے تھے انہوں نے امام احمد رضا خاںؒ کی صرف مخالفت ہی نہیں کی بلکہ اُنہیں بدنام کرنے کی کوشش بھی کی۔ مشہور کیا گیا کہ احمد رضاؒ انگریزوں کے خیر خواہ ہیں اور اُن سے وظیفہ وصول کرتے ہیں۔ جذباتی دور تھا۔ بات مشہور ہو گئی۔ تاریخ میں اس سے بڑا جھوٹ شاید کبھی نہیں

بولا گیا ہوگا۔ کیونکہ حقیقت اس کے قطعاً برعکس تھی۔ اُن کی انگریز دشمنی اور اُن سے نفرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لفافے پر ٹکٹ بھی الٹا لگایا کرتے تھے۔ یعنی ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کے سر ہمیشہ نیچا رکھتے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب "گناہِ بے گناہی" میں ایسے لفافوں کے دو عکس بطورِ نمونہ پیش کیئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خانؒ انگریزوں سے سخت بیزار تھے۔ اُن کی حکومت، اُن کی سیاست، اُن کی عدالت، اُن کی تہذیب و تمدّن، اُن کی زبان۔ غرضیکہ اُن کی ہر ادا اور ہر چیز سے بیزار تھے۔ اُن کا پیکر، اُن کا گھر صبغۃ اللہ کا مظہر تھا۔ جبکہ اُن کے مخالفین کے گھر انگریزی تہذیب و تمدّن کا نمونہ بنے ہوئے تھے۔

اعلیٰ حضرتؒ کی اصل مخالفت کا سبب تحریکِ خلافت کے دوران میں اُن کا رویہ تھا۔ اگرچہ اُس دور کے مسلمان تحریکِ خلافت کے لیئے مخلص تھے مگر وہ سادہ لوح، ہندو کی سیاست کو نہیں سمجھتے تھے۔ بظاہر یہ تحریک مذہبی تھی مگر اس کے اسباب خالص سیاسی تھے۔ اس تحریک کے پردے میں ہندو دوگونہ فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ایک طرف وہ خود کو مسلمانوں کا ہمدرد اور بہی خواہ ظاہر کر رہے تھے اور دوسری طرف اُنہی کی تائید و حمایت سے ہندوستان کی مطلق آزادی کی جد و جہد کر رہے تھے۔ امام احمد رضا خانؒ نہ تو اس سیاسی دورنگی کے قائل تھے اور نہ ہی وہ سیاسی مصلحتوں کی خاطر مذہب کو قربان کرنے کے لیئے تیار تھے۔ لیکن اُن کے مخالفین نے تحریکِ خلافت

سے اُن کی خلافت کو خوب ہوا دی اور بات بہتان تراشی تک جا پہنچی۔
تحریکِ خلافت کو اگر تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ اعلیٰحضرتؒ کا فیصلہ کتنا معقول، مناسب اور حقیقت پسندانہ تھا۔ ترکی کی تاریخ میں فاتح قسطنطنیہ محمد ثانی، سلیم اوّل سلیمان پرشکوہ جیسے متعدد سلاطین گزرے لیکن اُن کے دل و دماغ میں خلیفہ بننے کا سودا کبھی نہیں سمایا۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جب سلطنتِ ترکی زوال پذیر ہو کر یورپ کا مردِ بیمار کہلانے لگی تو وہاں کے عوام نے حکومت کے خلاف "تحریک نوجوانانِ تُرک" کا آغاز کیا۔ اور ملک میں جمہوری نظام کے لیئے جدوجہد شروع کی۔ سلطان عبدالحمید ایک کمزور حکمران تھا۔ نہ تو وہ اُس دور کے سیاسی حالات میں یورپی طاقتوں کا سامنا کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی وہ اپنے عوام کو مطمئن کر سکتا تھا۔ نتیجتاً اُس نے اپنی حیثیت مضبوط کرنے کے لیئے مذہب کی پناہ تلاش کی اور حرمین شریفین کے پاسبان ہونے کے ناطے سے خود کو خلیفۃ المسلمین قرار دیا۔
سادہ لوح ہندی مسلم رہنما اتنی بات نہ سمجھ سکے کہ جو شخص اپنے ملک میں غیر مقبول ہو اُسے دور دراز علاقوں سے کس طرح مدد بہم پہنچائی جا سکتی ہے۔ ترکی کے عوام اس چال کو خوب سمجھتے تھے انہوں نے اپنی تحریک کو تیز تر کر دیا۔ اور مختصر سے عرصے میں اتاترک کمال نے ۱۹۲۲ء میں سلطانِ ترکی کو ملک بدر کر دیا اور عالمی سیاست ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے بعد ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا جو حشر ہوا اُس کا سب کو علم ہے۔

یہ اعلیٰ حضرتؒ کی تاریخی بصیرت تھی کہ انہوں نے اس انقلاب ترکی کا ادراک بہت پہلے کر لیا تھا۔ اس لئے اگر وہ اس تحریک سے الگ رہے تو اس میں کیا بُرائی تھی؟ پھر اگر یہ الزام صحیح بھی ہے تو اس کے مرتکب حضرت علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ بھی تھے۔ علامہ اقبالؒ نے تو ایک روز کے لئے اس تحریک کی رکنیت قبول کر بھی لی لیکن قائداعظم تو اس سے کلّی طور پر لاتعلق رہے اور خاموشی سے حالات کا مشاہدہ فرماتے رہے۔

جس طرح تحریکِ خلافت میں امام احمد رضاؒ کو اصولی اختلاف تھا اسی طرح تحریکِ ترکِ موالات سے بھی انہیں اختلاف تھا۔ اور یہی اختلاف ان کی سخت مخالفت کا سبب بنا۔

یہ تحریک ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی جس کا مقصد حکومتِ برطانیہ سے عدم اعتماد تھا۔ اس میں ہندو نواز مسلم اکابرین نے اپنے ماضی کے تجربات و مشاہدات سے قطع نظر کر کے اہلِ ہنود کے آگے دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا۔ حتیٰ کہ انہیں اپنا قائد اور رہنما تسلیم کر لیا۔

امام احمد رضاؒ کو اس سیاسی طرزِ عمل سے سخت اختلاف تھا۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق اتار کر ہندوؤں کی غلامی قبول کر لیتے اور اقتدار اُن کے ہاتھ میں سونپ کر اُن کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیتے۔ قوم پرست مسلمانوں کو ہندوؤں کے اخلاصِ نیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضاؒ اُن کی نیتوں کو خوب سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے خود کو اس تحریک سے بھی الگ رکھا لیکن اعلیٰ حضرتؒ کے مخالفین نے اس بات کو شہرت دی کہ

انہوں نے انگریزوں سے پیسہ کھا کر ترکِ موالات کے خلاف فتویٰ تحریر کیا. جو انگریزوں کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا گیا.

یہ سراسر کذب و اختراع ہے کیونکہ اتنی کثیر تعداد میں فتویٰ کی کاپیاں چھپنے اور تقسیم ہونے کے باوجود اُن کے مخالفین ایک نقل بھی فراہم نہ کر سکے. حقیقت یہ ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں ہندو ہمیشہ اکثریت میں رہے. باوجود برسرِ اقتدار رہنے کے مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے. اقلیت کو اکثریت سے ہمیشہ خطرات ہوتے ہیں. شہنشاہ اکبر کے دور میں اگرچہ اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا مگر ہندو اپنی سیاسی حکمتِ عملی سے اقتدار میں اس طرح داخل ہو گئے تھے کہ خود اسلام خطرے میں پڑ گیا تھا. اس لیئے اعلیٰ حضرتؒ کے زمانے میں بھی مسلمانوں کو انگریزوں سے زیادہ ہندوؤں سے خطرہ تھا. یہی وجہ ہے کہ اعلیحضرتؒ ہندو سے کسی قسم کے روابط کے قائل نہ تھے.

تحریکِ خلافت کے بعد ترکِ موالات سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنے سے بھی اعلیحضرت کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے. دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء میں ناگپور کے ایک اجلاس میں ہندوؤں کے ساتھ جہاں بھاری تعداد میں مسلمان نمائندے بھی موجود تھے، ہندو عوام نے ترکِ موالات کے پروگرام میں عدم دلچسپی کا اظہار کیا. اور گاندھی جی کو کہنا پڑا کہ "مسلمانوں کے ساتھ اِس وقت اتحاد کا مطلب گئو رکھشا ہے."

گاندھی کے اس جملے سے اندازہ لگا لیں کہ وہ مسلمانوں کے معاملات میں کتنے سنجیدہ اور پُر خلوص تھے؟ اس کا اندازہ اس امر سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ گاندھی جی علی برادران کے ساتھ جہاں بھی جاتے

مسلم طلبہ کو اسکول اور کالج بند کرنے کی تلقین کرتے. جس وقت وہ علی گڑھ میں بڑے شدّ و مد کے ساتھ یہ اپیل کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ مسلم یونیورسٹی بند کر دیں اور حکومت سے ملنے والی امداد ٹھکرا دیں، اُن کے ہمنوا مسٹر مالویہ بنارس یونیورسٹی میں پرنس آف ویلز کو شاہی استقبال دینے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے اور خود گاندھی نے بنارس یونیورسٹی کی طرف ایک دن بھی توجہ نہ دی. اور نہ ہی ہندو طلبہ کو تعلیم چھوڑنے کا مشورہ دیا. ان حالات میں اگر اعلیحضرتؒ نے خود کو اس قسم کی تحریکوں سے الگ رکھا تو کیا بُرائی کی ؟

اعلیحضرتؒ کو برّصغیر میں ایک مسلک کا بانی تصوّر کیا جاتا ہے جو ہمیشہ اس خطّہ میں سوادِ اعظم پر مبنی رہا. پاکستان، ہندوستان کے سوادِ اعظم کے ووٹ سے حاصل ہوا. گویا کہ یہ سوادِ اعظم نتیجہ تھا اعلیحضرت کی سیاسی بصیرت، اُن کی دینی تربیّت اور مذہبی عصبیّت کا جس میں سارے کا سارا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم درخشاں تھا. جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے مسلمانوں میں سے ایک زبردست جماعت تیار ہوئی جو مفسّرین مفکرّین، دانش وروں، سیاست دانوں، خطباء، علماء اور مشائخ پر مشتمل تھی.

اس جماعت نے دل کھول کر مسلم لیگ کی تائید کی اور اس تائید میں اس حد تک بڑھ گئے کہ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں اہلِ ہنود کے گڑھ بنارس میں سُنّی کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں ہندوستان بھر سے دس ہزار علماء و مشائخ کے علاوہ ایک لاکھ افراد نے شرکت کی. یہی وہ جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حمیّتِ اسلام پر مبنی شدتِ عصبیت

تھی جس نے بالآخر اسلام کو کفر سے الگ کر کے پاکستان جیسی مملکتِ خداداد کو جنم دیا۔

یہی اعلیحضرت بریلویؒ کی سیاسی بصیرت تھی جس کا ادراک انہوں نے اُس وقت کر لیا تھا جب اُن کے مخالفین اُن پر بہتان طرازیاں کر رہے تھے اور مخلص مسلمان متحدہ ہندوستان کی آزادی کے لیئے جدّ وجہد کر رہے تھے۔

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کیطرف گئے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اوّل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

امام احمد رضاؒ

پروفیسر محمد ابرار حسین
بنیادی سائنس
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

مقدمہ "رسالہ فوز مبین در ردّ حرکت زمین"

اعلیٰحضرت پیشوائے اہل سنت کی تصنیف لطیف "رسالہ فوز مبین در ردّ حرکت زمین" سن تصنیف ۱۳۳۸ھ سے تاہنوز گمنامی میں پڑی رہی ہے۔ یہ قسط وار بریلی سے "الرضا" میں شائع ہوتی رہی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود، سید ریاست علی قادری اور ان کے رفقا کی کوششوں سے اس رسالہ کا مقدمہ اور چند صفحات "معارف رضا" میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں کی سعی مسلسل سے مکمل رسالہ مل گیا ہے اور اس کی اشاعت کی توقع کی جا سکتی ہے۔

بظاہر یہ رسالہ جیسا اس کے تاریخی نام سے ظاہر ہے زمین کی حرکت کے رد میں ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ نسل در نسل کوپرنکس کا نظریہ ایک مسلّم حقیقت کے طور پر رائج چلا آرہا ہے۔ اس کا رد کرنا آسان کام نہیں۔ اس قسم کا فعل پرانے بطلیموسی نظریہ کی ترویج کے مترادف تصور کیا جاتا ہے۔ کچھ اسی قسم کا رد عمل ہمارے سائنسدانوں کا اور دانشوروں اور کچھ علمائے کرام کا بھی ہے۔

دراصل اعلیٰحضرت نے حرکت زمین کو رد کیا ہے اور قدیم یونانی نظریات کی کسی طرح بھی ترویج کی کوشش نہیں کی۔ سرورق پر درج ہے کہ اس رسالہ میں۔

"ایک سو پانچ دلیلوں سے حرکت زمین کا رد ہے اور عندالتفصیل بارہ رد نافریت پر ہیں۔ پچاس ردّ جاذبیت پر۔ بہتّر دلیلوں سے زمین کا اپنے طور پر گھومنا

باطل کیا ہے۔ فلسفۂ جدیدہ کو خود فلسفہ جدیدہ کے اصول سے رد کیا ہے۔ ایک تذییل میں فلسفہ قدیمہ کا رد ہے جس نے فن فلکیات کا اصلاً کوئی حرف سلامت نہیں رکھا؛

یہ رسالہ ایک مقدمہ اور چار فصلوں پر مشتمل ہے مقدمہ میں مفردات ہئیات جدیدہ کا بیان ہے۔ فصل اوّل میں نافریت پر بحث ہے۔
فصل دوم میں جاذبیت پر کلام ہے۔
فصل سوم میں حرکت زمین کے ابطال پر بحث کی گئی ہے۔
فصل چہارم میں ان شبہات کا رد کیا ہے۔ جو ہیئات جدیدہ اثبات حرکت زمین میں پیش کرتی ہے۔
خاتم میں کتب الہٰیہ سے گردش آفتاب وسکون زمین کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

بطلان حرکت زمین پر فصل اوّل میں بارہ، فصل دوم میں پچاس اور فصل سوم میں تینتالیس دلیلیں ہیں۔ ان ایک سو پانچ عقلی دلائل میں صرف پندرہ دلائل پرانی کتب کی ہیں اور باقی نوے اعلحٰضرت کی تحقیق ہیں۔ ان دلائل میں ریاضیات طبیعات، ہیئات، فلکیات، جغرافیہ اور دیگر علوم کا استعمال کیا گیا ہے۔

اعلحٰضرت کئی سائنسی علوم پر حاوی تھے لیکن وہ اسلام کو سائنس کے تابع نہیں سمجھتے تھے بلکہ سائنس کو اسلام کے تابع ہونا ان کا بنیادی نظریہ تھا۔ اسی بنیاد پر وہ انتہائی شدومد سے ایسے تمام سائنسی نظریات کو رد کرتے تھے جو اسلامی فکر سے متصادم ہوں۔ ان کا انداز فکر تو معتزلہ نیچریوں اور نو نیچریوں سے بالکل مختلف تھا جو سائنسی نظریات کو فوقیت دینے کے لئے مختلف قسم کی تاویلات اور الفاظ معنی کے چکر سے کام لیتے ہیں۔ اس قسم کے باطل نظریات رکھنے والوں کی تحریریں ہمارے

ہی اخبارات، رسائل و جرائد میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ مگر جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ تقریباً اس قسم کے نظریات رکھنے والے تقریباً سارے ہی سائنسی علوم سے نابلد ہیں۔

اس مقالہ میں صرف مقدمہ رسالہ نوزمبین کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کرنا ہے۔ یہ مقدمہ پچاس صفحات پر محیط ہے اس میں بتیس نکات پیش کئے گئے ہیں جن پر مفصل بحث چار فصلوں میں دی گئی ہے۔

مقدمہ کے مطالعے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رسالہ میں نیوٹن کے ہئیات کے اصولوں پر زبردست تنقید کی گئی ہے۔ خصوصاً جاذبیت اور کشش ثقل پر جو حرکت زمین کے ثبوت میں بنیادی اصول ہیں۔

نیوٹن کی شہرہ آفاق تصنیف [illegible] [illegible]

لاطینی زبان میں پہلی بار ۱۶۸۶ء میں شائع ہوئی۔ دوسری اشاعت ۱۷۱۳ء اور تیسری نیوٹن کی وفات سے تقریباً ایک سال قبل ۲۶-۱۷۲۵ء میں۔ یہ تین کتابوں پر مشتمل ہے۔

شروع میں نیوٹن کا خیال تھا کہ تیسری کتاب کو ختم کر دیا جائے لیکن اپنے ہم عصر ہیلے کے اصرار پر وہ تیسری کتاب شائع کرنے پر راضی ہو گیا۔ اس کتاب نے یورپ میں تہلکہ مچا دیا۔ تقریباً ڈھائی سو سال یا اس سے بھی زائد عرصہ تک نیوٹن نظریات عقیدہ کی حد تک سائنس میں مانے جاتے رہے اور ابھی تک ان کی حیثیت میں بہت کم فرق آیا ہے۔ اس صدی کے اوائل میں کچھ تجربات سے اور کچھ مشاہدات سے نیوٹن کے کچھ قوانین سقم نظر آئے اور ان کی مناسب ترمیم اور توضیح آئن سٹائن کے نظریہ اضافت سے کی گئی۔ نیوٹن کے مزاج

[illegible]

میں عاجزی اور انکساری کا عنصر غالب تھا۔ تیسری کتاب کے اختتام پر تو مذہب کا رنگ سائنس پر فوقیت لے گیا ہے۔ یہ انداز فکر بالکل مشرقی ہے۔ سنتیانا نے کہا ہے کہ مسلمان کو نیوٹن بھائی کی طرح نظر آئے گا۔

نیوٹن کی تصنیف کے انگریزی تراجم موجود ہیں۔ اس زمانہ میں اس کا مطالعہ کافی دشوار ہے۔ اصطلاحات بدل چکی ہیں۔ نیوٹن کا طرز استدلال واضح نہیں۔ اس میں کافی خامیاں موجود ہیں۔ تکرار عام ہے ان نقائص کی نشاندہی مغرب کے اکثر مفکرین کرتے رہتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے کسی کالج یا مغربی ادارے میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ دلی کالج بند ہو جانے کے بعد جو لوگ انگریزی داں نہیں تھے ان کے لئے سائنسی علوم کی تعلیم کے دروازے انگریز نے بند کر دیئے تھے۔ اس امر کا ابھی تک کوئی ثبوت مہیا نہیں ہو سکا کہ نیوٹن کی تصنیف کا اردو میں کوئی ترجمہ موجود تھا یا نہیں۔ اگر نہیں تو اعلیٰحضرت نے اس کتاب کا مطالعہ کس طرح فرمایا اور مطالعہ بھی بہت ہی گہرا جیسا آپ کی تنقید سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے حواشی میں نیوٹن کی تصانیف کے جگہ جگہ حوالے دیئے ہیں۔ اور صفحات متعلقہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ ان تصانیف کو آپ نے اس طرح موسوم کیا ہے۔

اصول علم طبیعی

حدائق النجوم

اصول علم البیاۃ

نظارہ عالم

خیال ہے کہ پہلی تین Book I کے مختلف اجزاء ہیں اور چوتھی Book IV ہے۔

مقدمہ کی ابتدا میں نیوٹن کے بنیادی اصولوں کا جائزہ لیا گیا۔ ان میں جگہ جگہ

تضاد اور غلط استدلال کی نشان دہی کی گئی ہے۔ جاذبیت اور کشش ثقل جو نیوٹن کے نظریات کی اساس ہیں انتہائی مدلل انداز میں انہیں رد کیا ہے۔

نکتہ ۱۵ میں وزن کے بارے میں نیوٹن کے نظریات کو رد کیا ہے۔ نیوٹن کا نظریہ ہے "وزن جذب سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے اختلاف سے گھٹتا بڑھتا ہے" اس طرح وزن مرکز زمین سے فاصلہ کے لحاظ سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ یہاں اعلیٰحضرت نے بہت عمدہ نکتہ اٹھایا ہے جو جدید طبیعات سے ہم آہنگ ہے۔

"ہیہات جدیدہ سے کہیئے کیوں خط استوا سے قطب تک دوڑے یا عطارد و آفتاب تک پھلانگتی پھرے اوس کا زعم سلامت ہے۔ تو خود اوس کے گھر میں ایک ہی جگہ رکھے رکھے شے کا وزن گھٹتا بڑھتا رہے گا" یعنی وزن کا تغیر محض فاصلہ سے کیوں ہو۔ وقت کے لحاظ سے بھی ہونا چاہیئے"۔

نیوٹن نے اپنے نظریہ کی وضاحت مدوجزر کے تفصیلی جائزے سے کی ہے۔ نکتہ ۱۶ میں اعلیٰحضرت نے منطقی اور سائنسی استدلال سے مدوجزر کے بارے میں نیوٹن کے نظریات کو رد کیا ہے۔ سوال یہ کیا جا سکتا ہے کہ مدوجزر کی علت کیا ہے۔ فرمایا "ہمارے نزدیک ہر حادث کی علت محض ارادہ اللہ جلّ وعلا ہے" یہی نہیں بلکہ قرآن عظیم کی ایک "والبحر المسجور" اور حدیث "اِنّ تحت البحر نارًا" کی طرف اشارہ فرمایا اور اہل فکر کو تحقیق کی راہ دکھائی۔

رسالہ فوز مبین ہمارے سائنسدانوں کو دعوت فکر دیتا ہے۔ اہل علم کے لئے تحقیق کے دروازے کھولتا ہے۔ یقیناً صاحب فکر و نظر اس میں بہت کچھ پائیں گے۔ اعلیٰحضرت کی اس تصنیف کو تحقیق کے قابل نہ سمجھنا محض اس لئے کہ یہ ایک مسلّمہ نظریہ کی رد میں ہے اور یہ کہ مصنف نے کسی مغربی درس گاہ میں سائنسی علوم کی تحصیل نہیں کی۔ اس عظیم ہستی کے ساتھ بڑی زیادتی ہے۔

راما تنجن جنوبی ہند کا اسی صدی کا مشہور ریاضی دان مانا جاتا ہے۔ اس کے نظریات تحقیق کا موضوع رہے ہیں۔ خود اس نے کسی یونیورسٹی میں تعلیم نہیں پائی۔ ہائزنبرگ نے طبیعات اور علم کیمیا میں یقینیت کے نظریہ کو پاش پاش کیا۔ فوز مبین اردو زبان میں ہے۔ مطالعہ دشوار نہیں۔ اصطلاحات ضرور بدلی ہوئی ہیں اور مروجہ اردو اصطلاحات کے مقابلہ میں زیادہ مناسب ہیں۔ نوجوان سائنسدانوں سے اپیل ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور دنیا کو دکھائیں کہ ہمارے عالم دین دیگر علوم میں کہاں تک پہنچے ہوئے تھے۔

★

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل دیئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُن کی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں

امام احمد رضاؒ

ایم حسن امام ملک پوری
ایم۔ ایس سی۔ بی۔ ایل۔ بی۔ ایڈ مظفر پور

امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں

آج کل کی ترقی یافتہ دنیا نے اسلام کے سپوت کے کارناموں کو اس طرح بھلا دیا ہے جیسے اس قوم نے بنی نوع انسان کے لئے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ اوروں کو تو جانے دیجئے خود بہتیرے موجود مسلمان ہی اس حد تک احساس کمتری کے شکار ہیں کہ وہ دنیاوی علوم و فنون کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں۔ ان کا ظن غالب ہے کہ یہ علوم ہمارے لئے نہیں اگر یہ ہمارے لئے ہوتے تو ہمارے آباؤ اجداد بھی اس میدان میں تاریخی کارنامے سرانجام دیئے ہوتے اور فخر سے کہتے کہ آج کی سائنسی ترقی بھی ہمارے سلف کے کارناموں کی مرہون منت ہے" ہم بس اس حد تک جانتے ہیں کہ ہمارے علماء صرف علم دین میں دقیق النظر ہیں۔ قرآن کریم اور حدیث نبوی کی انہیں باکمال واقفیت ہے۔ وہ ان کی روشنی میں بہت کچھ سوچ سکتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ غور و فکر کو عروج دے کر کبھی تو ہم اپنے اسلاف کو کافر اور بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں اور کبھی اپنے معاصر کو۔ حالانکہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو صاف پتہ چلے گا کہ ہم اپنے جن اسلاف کو بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں ان کے مطالعہ میں کتنی عمیقگی ہے اور ہمارا مطالعہ کتنا سطحی ہے۔ خیر اس بحث کو یہیں چھوڑیئے (اللہ ہمارے ان بھائیوں کو راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے جو آج بھٹک رہے ہیں (آمین)

ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ احساس کمتری کی بنا پر ہم نے اپنے اسلاف کا جو معیار مقرر کیا ہے اس سے وہ کہیں بالا تھے۔ مثال کے لئے ان گنت شخصیتیں ہیں۔ فی الحال میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں عرض کرنا چاہوں گا کیونکہ احمد رضا بریلوی

کی مذہبی، علمی، ادبی، ریاضی، ارضیاتی، فلکیاتی اور مادی یا سائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس مذہبی معلومات کا فقدان ہے۔ مادیات اور ارضیات کا قدرے مطالعہ ہے اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں امام احمد رضا کے صرف ایک حصہ تصنیف "کتاب الطہارۃ" (اصل تصنیف جو فتاوی رضویہ کے نام سے مشہور ہے۔ جن کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ "کتاب الطہارۃ" اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے) سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین کے ہی بحر بیکراں نہیں علم ارضیات۔ مادیات۔ فلکیات اور علم ریاضی و ہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں۔ اس سلسلہ میں ثبوت فراہم کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ پھر بھی قارئین کی دلچسپی کے لئے میں مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۲۱ اور اس سے کچھ آگے کے اوراق کا اقتباس پیش کر رہا ہوں۔

مسئلہ ۴۴ :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنویں کا دور کتنے ہاتھ ہونا چاہیئے کہ وہ دہ در دہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو سکے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الجواب :-

اس میں چار قول ہیں ہر دور بجائے خود وجہ رکھتا ہے۔ اور تحقیق جدا ہے۔

قول اول اڑتالیس ہاتھ خلاصہ وعالمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوی کبری میں اسی کو احوط بتایا۔ سید طحطاوی نے اسکا اتباع کیا۔ ہندیہ میں ہے۔ کان الحوض مدورا یعتبر ثمانیۃ واربعون ذراعا کذا فی الخلاصۃ

وھو الاحوط کذا فی محیط السرخسی طحطاوی میں ہے الاحوط اعتبار ثمانیۃ واربعین۔

دوم: چھیالیس ہاتھ بعض کتب میں اس کو مختار و مفتی بہ بتایا بحرالرائق میں نقل فرمایا۔ المختار المفتی بہ ستۃ واربعون کیلا یعسر رعایۃ الکسر اھ اقول ای یرید ان ثمہ کسرا اسقط اودفع تسیرا ثم رائیت فی الفتح ما عین الرافع حیث قال ان کان الحوض مدورا فقدر بار بعۃ واربعین وثمانیۃ واربعین والمختار ستۃ واربعون وفی الحساب یکتفی باقل منھا بکسر للنسبۃ لکن یفتی بستۃ واربعین کیلا یتعسر رعایۃ الکسر قال والکل تحکمات غیر لازمۃ انما الصحیح ما قدمناہ من عدم التحکم بتقدیر معین اھ ای عملا باصل المذھب وقد علمت ان الفتوی علی اعتبار العشر۔

سوم: چوالیس ہاتھ اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں۔ جامع الرموز میں ہے۔ اما فی المدور فیشطان یکون دورہ ثمانیا واربعین ذراعا وقیل اربعا واربعین فالاول احوط کما فی الکبری۔

چہارم: چھتیس ہاتھ ملتقط میں اسی کی تصحیح کی۔ امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فن حساب مبرہن ہے۔ جامع الرموز میں ہے۔ وقیل ستۃ وثلثین وھو الصحیح المبرھن عند الحساب کما فی الظھیریۃ وفی الاولین تحقق الحوض المربع داخل المدور وفی الثالث مایساویہ۔ اسی پر مولوی خسرو نے متن غرر میں مع افادہ تصحیح اور مدقق علائی نے درمختار اور علامہ نقیہ و محاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا۔ ردالمحتار میں ہے قولہ وفی المدور بستۃ وثلثین ای بان یکون دورہ ستۃ وثلثین ذراعا وقطرہ احد عشر ذراعا وخمس ذراع ومساحتہ ان تضرب نصف القطر وھو خمسۃ

ونصف وعشر فی نصف الدورۃ وھو ثمانیۃ عشر یکون مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع اھ سراج وماذکرہ ھو احد اقوال خمسۃ وفی الدرعن الظہیریۃ ھو الصحیح اقوال تحقیق یہ ہے ان کا دور تقریباً ساڑھے پینتس ہاتھ چاہیئے یعنی ۳۵٫۴۴۹ تو قطر تقریباً ۵ گز ساڑھے دس گرہ ہوگا بلکہ دس گرہ ایک اونگل یعنی ۱۱٫۲۸۴ ہاتھ بیان اس کا یہ کہ اصول ہندسہ مقالہ ۴ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر و محیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجئے کہ حاصل سب کا واحد ہے اور ہم نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر اجزائے محیطیہ سے خلاصہ لہ الطلومسر ہے نصف قطر موجہ بر مربع الدیعنی محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہو قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیئے ۵۴ رابعے ہے۔ وفی حساب الفاضل غیاث الدین جمشید الطاشی علی مانقل العلامۃ البرجندی فی شرح تحریر المجسطی لو بعۃ ای ستاد خمسین مکان لہ لا یفارق محسوبے الابخوا الاربعۃ وجاء الحساب احزمولع رفعا ای سبعا واربعین و بالجملۃ لا فرق الا فی بعض روابع وعلی ھذا لاخیر ھو لنا تو قطر اگر ایک ہے محیط ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ہے۔

فان ۳۶۰ ÷ ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ = ۱۱۴٫۵۹۱۵۵۹۱۵۷

تحویلہ الی الستنی مدصہ لہ الطلومسر یہاں سے دو مساواتیں حاصل ہوئیں۔ قطر و محیط و مساحت کو علی التوالی ق ط م فرض کیجئے پس

(۱) ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق = ط اس لئے کہ ۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ :: ق : ط (۲) $\frac{ق ط}{۴}$ = م ان کے بعد قطر و مساحت سے جو چیز گز ہاتھ، فٹ، گرہ وغیرہ جس معیار سے مقدر کی جائے اسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہو جائے گی جس

کی جدول ہم نے یہ رکھی ہے۔

معلوم / مطلوب	قطر	محیط	مساحت
قطر	۰	۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	۲ق،۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵
محیط	ط / ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵	۰	ط۲ / ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶
مساحت	√(م / ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵)	√(۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶ م)	۰

پھر آسانی کے لئے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حسابیہ سے وہ تصرفات کر دیئے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے۔

معلوم / مطلوب	لوقطر	لومحیط	لومساحت
لوقطر	-	لوق + ۰٫۴۹۷۱۴۹۹	۲لوق + ۱̄٫۸۹۵۰۸۹۹
لومحیط	لوط + ۱̄٫۵۰۲۸۵۰۱	-	۲لوط + ۲̄٫۹۰۰۷۹۰۱
لومساحت	(لوم + ۰٫۱۰۴۹۱۰۱) / ۲	(لوم + ۱٫۰۹۹۲۰۹۹) / ۲	-

یہاں مساحت معلوم ہے ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۲٫۰

∴ ۲٫۱۰۴۹۱۰۱ / ۲ = ۱٫۰۵۲۴۵۵۰ کہ لوگارثم ۱۱٫۲۸۴ کا ہے یہ قدر قطر ہوئی نیز ۳٫۰۹۹۲۰۹۹ / ۲ = ۱٫۵۴۹۶۰۴۹ کہ لوگارثم ۳۵٫۴۴۹ کا ہے یہ مقدار دور ہوئی۔

ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ

۱۱٫۲۸۴ × ۳۵٫۴۴۹ = ۴۰۰٫۰۰۶۵۱۶ ÷ ۴ = ۱۰۰٫۰۰۱۶ کہ سو ہاتھ سے صرف ۱۶/۱۰۰۰۰ یعنی ۱/۶۲۵ زائد ہے کہ ایک اونگل عرض کا ۲۴/۶۲۵ یعنی اونگل کے پچیسویں حصے سے بھی کم ہے۔ بخلاف سراج وشرنبلالیہ کہ ان کے خیال سے ۱۹ اونگل اور واقع تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھتا ہے"

اب راقم الحروف کو کچھ کہنے دیجئے۔ اگر ہمارے اسلاف صرف لکیر کے فقیر ہوتے تحقیق وتجدید کو کفران نعمت سمجھتے تو مفتی ہونے کی حیثیت سے امام احمد رضا مذکورہ بالا سوال کے جواب میں چاروں اقوال کو کتب فقہیہ کے حوالے کے ساتھ بیان کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے تھے کہ کنواں مذکور کا دور چھتیس ہاتھ ہی صحیح و درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مگر اللہ تبارک تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کا تقاضہ اسی جواب پر اکتفا کر کے آئندہ نسل کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑنا نہ تھا بلکہ تحقیق، تجدید و اجتہاد سے مسائل کو حل کرنا مقصود تھا۔

غور کا مقام ہے کہ چھتیس ہاتھ اور ۳۵،۴۴۹ ہاتھ میں آدھے ہاتھ سے ہی زیادہ کا فرق ہے۔ کنواں مذکور کے صحیح دور کی دریافت یعنی ۳۵،۴۴۹ ہاتھ کی دریافت کے لئے امام احمد رضا نے علم الحساب کی کس باریکی کا مصرف لیا ہے اس کا اندازہ ایک علم ریاضی و ہندسہ ہی لگا سکتا ہے۔

کوئیں کا کراس سیکشن CROSS SECTION عام طور پر دائرہ نما ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں موجودہ رائج فارمولے اس طور پر ہیں۔

دائرہ کا محیط یا دور CIRCUMFERENCE OF A CIRCLE = $2\pi R$ یا πD

دائرہ کی مساحت یا رقبہ AREA OF A CIRCLE = πR^2 یا $\frac{\pi D^2}{4}$

یہاں R اور D علی الترتیب دائرہ کے نصف قطر RADIUS اور قطر DIAMETER کو ظاہر کرتے ہیں اور π ایک مستقل مقدار ہے جس کی قیمت $\frac{22}{7}$ یعنی ۳،۱۴۲۸۵۷ ہے جو ۳،۱۴۲۸۵ سے زیادہ اور ۳،۱۴۲۸۵۸ سے کم۔ اب اس قیمت کو اگر قطر سے ضرب کیا جائے تو حاصل شدہ محیط کی قدر اور امام احمد رضا کے فارمولا محیط = ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵ ق سے حاصل شدہ قدر محیط میں برائے نام فرق ہوگا۔ اب سوال اٹھتا ہے کہ صحیح قدر کون سی ہوگی۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مروجہ فارمولے سے حاصل شدہ قدر بھی EXACT نہیں کہی جا سکتی کیونکہ π کی EXACT قیمت سے

قطر کو ضرب نہیں دیا جا سکا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ π کا ہمیں LIMITING VAHNE معلوم ہے EXAET VAHNE نہیں۔ EXAETNESS کی تلاش امام احمد رضا کو یقینی طور پر تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے مساحت دائرہ کے لئے جو چار فارمولے۔

(۱) مساحت دائرہ = محیط × قطر/۴

(۲) 〃 〃 = قطر × محیط/۴

(۳) 〃 〃 = نصف قطر × محیط/۲

۴ 〃 〃 = قطر × محیط؛ مرتب کیا ہے وہ ترکی زبان میں ایک اقلیدس کی کتاب کا عربی ترجمہ (جسے محمد عصمہ مصری نے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے) سے ماخوذ ہیں۔

امام احمد رضا اس بات سے کماحقہ واقف تھے کہ محیط اور قطر میں ایک خاص رشتہ تناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہے قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانئے ۳۶ ثالثے ۴۵ رابعے ہے یعنی قطر اگر ایک ہے تو محیط ۳۶۰/۱۱۴،۵۹۱۵۵۹۱۵ یعنی ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵۔

بہر حال جدول ۱ میں اسی رشتہ تناسب کو کام میں لاکر امام احمد رضا نے قطر محیط اور مساحت کے درمیانی رشتہ کو فارمولا کی شکل دیا ہے جو آج بھی عمدہ کاوش کا پتہ دے رہا ہے۔

مگر امام احمد رضا کی تلاش حق نے یہاں بھی دم نہ لینے دیا۔ اب آپ نے علم ریاضی کی اعلیٰ نصاب کی طرف توجہ فرمائی اور پھر آپ نے لوگارثم (جو عربی میں لوغارثم اور انگریزی میں LOGARITHM کہلاتا ہے) کی مدد سے دوسرا جدول تیار کیا جو دائرہ کے قطر، محیط و مساحت کے درمیانی رشتہ کو بتانے کے لئے اپنی مثال آپ اور آئندہ نسل کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

ہندوستان میں مروجہ موجودہ نصاب کے تحت LOGARITHM کی پڑھائی کا آغاز عام طور پر یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ کے درس سے شروع ہوتا ہے لہذا اس جدول کا انگریزی ترجمہ بے کار نہ ہوگا۔ (TABLE [illegible])

بس LOGARITHMIC TABLE سے ACCURACY کہاں تک آتی ہے اس کا اندازہ بھی آپ دائرہ کے اسی معیاری مساحت سے کیجئے جو پانی کی اوپری سطح کے لئے اس واسطے ضروری ہے کہ اس کا پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو یعنی ۱۰۰ ہاتھ (آپ سوچتے ہوں گے کہ رقبہ کی اکائی میں مربع کا استعمال ضروری ہے۔ تو اس کے لئے امام احمد رضا نے جدول کے آغاز کے پہلے ہی صفائی پیش کر دی ہے) بہر حال جدول میں مطلوب و معلوم اپنی اپنی اکائیوں اور وسعتوں (UNITS AND DIMENSIONS) میں تصور کی جائیں۔ یہاں فارمولے کی جانچ صرف قدر (MAGNITUDE) پر کرنی ہے۔

$$\text{LOG } C = \frac{\text{LOG } A + 1.0992099}{2}$$

$$= \frac{\text{LOG } 100 + 1.0992099}{2}$$

$$= \frac{2.0 + 1.0992099}{2}$$

$$= \frac{3.0992099}{2}$$

$$\text{OR LOG } C = 1.5496049$$

$$\text{BUT } 1.5496049 = \text{LOG } 35.449$$

$$\text{LOG } C = \text{LOG } 35.449$$

$$\text{HENCE } C = 35.449$$

یعنی دائرہ کا محیط یا دور ۳۵٫۴۴۹ آتا ہے اور اسی طرح قدر کی مقدار حاصل کرنے پر ۱۱٫۲۸۴ آتی ہے۔

امام احمد رضا کے غور و فکر کو ملاحظہ فرمائیے کہ امام احمد رضا سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ علم ریاضی و ہندسہ کی ضروری یعنی لازمی و کافی شرائط (NECESSARY AND SUFICIENT CONDITIONS) کا پورا ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ حاصل شدہ قطر اور محیط کی مقدار کو ضرب دے کر ترکی اقلیدسی کتاب کے فارمولا (۴) پر جانچتے ہیں کہ حاصل شدہ

مساحت ۱۰۰ آتی ہے یا نہیں۔

مساحت = قطر × محیط / ۴

= ۳۵،۴۴۹ × ۱۱،۲۸۴ / ۴

= ۴۰۰ر۰۰۶۵۱۶ / ۴

= ۴۱۰۰ر۰۰۱۶

یہ تعداد ۱۰۰ کے بہت ہی قریب تصور کی جاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ دریافت جو قطر اور محیط کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

اب بعض قارئین نے سوچا ہوگا کہ کیا ضروری ہے کہ کنواں دائرہ نما ہی ہو۔ یہ مثلث نما، مربع نما، مستطیل نما وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔

تو اس سلسلہ میں یہ کہہ دوں کہ امام احمد رضا نے بھلے ہی ان شکلوں کے کنوؤں کو نظر نواز نہ کیا ہو مگر اسی مسئلہ کے جواب میں آگے مختلف شکلوں کی مساحت ان کی دوران کے ضلعے وغیرہ کی بابت بالتشریح اور مستحکم و مدلل وضاحت کی ہے۔

اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام احمد رضا کا مقام علم ریاضی و ہندسہ میں کتنا بلند ہے۔ اسی طرح مذکورہ کتاب کے باب تیمم میں آپ نے جنس ارضی اور آگ کا تذکرہ اور ایک سو اسّی چیزوں کے نام جن پر تیمم کیا جا سکتا ہے اور پھر ایک سو تیس چیزوں کے نام جن پر تیمم جائز نہیں اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ مدلل تذکرہ کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں کہ آیا حضرت علوم دینی و دنیوی کے مخزن ہیں یا کہ منبع و سرچشمہ اسی کو لیجئے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے تیمم جائز ہے جو جنس ارض ہو اور وہ چیز جنس سے مغلوب نہ ہوا اور ہمارے تمام آئمہ کے نزدیک غیر جنس ارضی سے تیمم جائز نہیں ہے چاہے غیر سے زمین معلوم ہو یا نہ ہو۔ اس لئے اعلیٰحضرت نے جنس ارضی کی تجدید و تقدیر کا تفصیلی بیان شروع کیا ہے اور اس کو چار مقام پر تقسیم فرمایا ہے۔ مقام اول تجدید جنس ارض کے لئے مخصوص فرمایا ہے اس کے تحت پانچ الفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) احتراق (۲) ترمّد (۳) لین (۴) دوبان (۵) انطباع

پھر ان الفاظ خمسہ کے معنی اور ان کی باہمی نسبتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ اہل علم کی نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے کہ علم کیمیا میں بھی امام احمد رضا کو کیسا کمال اور ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس کی دلیل کو فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارۃ سے نقل کرنا تطویل کا باعث ہے اس لئے عبارتوں کے نقول کو ترک کرتا ہوں اور صاحب علم و فکر حضرات سے گذارش کروں گا کہ وہ مذکورہ کتاب کو صفحہ ۶۶۸ سے آخر تک مطالعہ فرمائیں بلکہ اچھا تو یہ ہوتا کہ اس مبحث کو پورے طور پر مطالعہ کیا جاتا جس کا نام "حسن التعمم لبیان حد التیمم" ہے۔

اس ضمن میں علم کیمیا سے تعلق رکھنے والے حضرات سے میرا یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ COMBUSTION، ROASTING، SRNELTING نیز METALHIRGY وغیرہ کے سلسلہ میں احتراق اور اس سے متعلقہ مذکورہ بالا الفاظ کی تفصیل بے حد معاون ہے۔ صرف معاون ہی نہیں بلکہ اس سے نئی راہ بھی کھلے گی جو COMBU STION کے متعلق مزید معلومات فراہم کرے گی۔ میرے خیال سے آگ اور آگ کا مادے پر اثر سے متعلق جتنی باتیں آپ یہاں اس باب میں یکجا پائیں گے اسے آپ اگر نایاب نہ کہیں تو نہ کہیں کمیاب ضرور کہیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے اور اس قسم کے نسخہ کیمیا کو اگر BASIS بنا کر ریسرچ کیا جائے تو موجودہ علم کیمیا فقط ماضی کی یاد بن کر رہ جائے گی ایک انوکھی چیز جو اس باب میں دیکھنے کو ملی ہے وہ یہ کہ کان کی ہر جگہ گندھک اور پارے کے نکاح کی اولاد ہے۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔ یہ چیز علم کیمیا کے محقق کے لئے دعوت فکر ہے یوں تو عناصر یا مادوں کے مابین جو کیمیاوی عمل ہوتا ہے اس میں LAW OF AFFINITY اور LAW OF MASS RCTION کو کافی دخل ہے۔

اول الذکر کے تحت ایک عنصر دوسرے عنصر کے لئے چاؤ لگن اور کشش رکھتا ہے جس کے تحت دونوں قریب آتے ہیں پھر دونوں کے جوہروں (ATOMS) کے بیچ ELECTRON کا لین دین ہوتا ہے جب جا کر ایک مرکب (نئی شئے) کی تشکیل ہوتی ہے عام طور پر ELECTRON دینے والا DONAR ATOM اور لینے والا ACCEPTOR کہلاتا ہے۔ نرمادہ میں بھی عرف عام میں نر کو DONAR اور مادہ کو ACCEPTOR کہا جا سکتا ہے۔ لہذا نر و مادہ او نکاح یا اتصال کی بابت تو موجودہ نظریے اور اعلیٰ حضرت کے بیان میں کافی ہم آہنگی نظر آتی ہے مگر ایک شئے غور و فکر کے لئے باقی رہ جاتی ہے کہ کان سے نکلنے والی اشیاء تو بے شمار ہیں جیسے لوہا، سونا، چاندی، تانبا، ابرک، جستہ، کوئلہ وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ سبھی چیزیں گندھک اور پارے کی اصل سے تعلق رکھتی ہیں۔

ممکن ہے آج کے ماہر علم کیمیا اسے واہیات سمجھیں۔ مگر وہ یہ نہ بھولیں کہ آج کے FATHER OF MODERN SCIENCE یعنی EINSTIEN کی THEORY کو بھی ان کے ہم عصر واہیات تصور کرتے تھے۔

سطحی مطالعہ والے کیمیا گر فوراً ہی کہہ سکتے ہیں کہ پھر آج گندھک اور پارے کے باہمی ازدواجی اختلاط یا باہمی اتصال سے نت نئے معدنی عناصر یا مرکب کو ظہور پذیر کیوں نہیں کرتے تو اس کے لئے میرا اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ نر مادہ کے باہمی اختلاط سے جو اسی جیسی جنس ظہور پذیر ہوتی ہے اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ نہ تو ہر جوڑے ہی ہم جنس کی پیداوار کے لائق ہوتے ہیں اور نہ ایک ہی جوڑا اپنی تمام عمر تک اس صلاحیت کو برقرار رکھتا ہے۔ اب کیمیاوی عمل کے سبب بنی نئی شئے کے موجودہ نظریئے کی طرف آیئے۔ کیا دو مادے یا عناصر ہر حال میں ایک ہی مرکب کی تشکیل کرتے ہیں؟ نہیں۔ بالکل نہیں قطعی نہیں۔ ہر کیمیاوی عمل کے لئے کچھ نہ کچھ لازمی شرائط NECESSARY CONDITION ہوا کرتے ہیں۔ کوئی کیمیاوی عمل تیزابی

واسطہ BASIC MEDIUM ACIDIC MEDIUM میں ہوتا ہے تو کوئی کھاری واسطہ
میں کوئی آبی واسطہ تلاش کرتا ہے تو کوئی خشک واسطہ۔ کہیں CATALYST کی ضرورت
پڑتی ہے تو کہیں PROMOTOR کی۔ کہیں ENZYMES کی ضرورت پڑتی ہے تو کہیں
اونچے دباؤ یا اونچے درجہ حرارت کی۔ کہیں نمی اور ہوا درکار ہوتی ہے تو کہیں خشکی اور خلاء
اگر ان شرائط کی تکمیل نہ ہو تو مادۂ کیمیاوی عمل میں حصہ سے ہی نہیں لے سکتے۔ تو کیا
بعید ہے کہ گندھک اور پارے ہی نے تمام معدنیات کو اُس اُس وقت ظہور پذیر
کیا ہو جب جب اس کے لئے معقول ماحول SUITABLE ENVIRONMENT
دستیاب رہا ہو۔ مثلاً دباؤ۔ درجہ حرارت اور جگہ جہاں عمل ہو۔

اب اگر کوئی علم کیمیا کا ماہر اظہار نفی کرتا ہے تو وہی کیا میں دنیا کے عظیم ماہر کیمیا
سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت زمین صرف سیال کا گولہ تھی اور اس
میں ENERGY کے ماسوا کچھ نہ تھا تو سب سے پہلا مادہ MATTER جو وجود میں
آیا وہ کون سا تھا؟ آج تو آئنسٹین نے ایک مرحلہ بھی طے کر دیا ہے۔ کہ ENERGY
یعنی توانائی اور MATTER یعنی مادے آپس میں متبدل ہیں اور اس کے لئے اس
نے جو مساوات ہمارے سامنے پیش کیا ہے E = MC 2 جہاں E توانائی M مقدار
مادہ اور C روشنی کی رفتار کو واضح کرتا ہے اس سے تو ہم پر یہ عیاں ہو گیا ہے کہ آگ کے
گولے زمین کی موجودہ شکل کیونکر حاصل ہوئی۔ مگر مجھے یہ کوئی بتا دے کہ پہلا مادہ جو
ظہور پذیر ہوا وہ کونسا تھا؟ کیا وہ اب بھی موجود ہے اور کیا اس کی سابق خاصیت
بدستور ہے؟ ہمارے قارئین یقین کریں کہ آج کی دنیا کا عظیم ترین سائنسدان بھی اس
سوال کے جواب میں بغلیں جھانکتا نظر آئے گا۔

پھر کیمیا سے دلچسپی رکھنے والے ہمارے قارئین کے ذہن میں دوسری بات یہ
پیدا ہو سکتی ہے کہ دو عناصر کے باہمی عمل سے عنصر کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔ مرکب ہی

بن سکتا ہے تو اس کے لئے یہی کافی ہوگا کہ آج جب یورینیم URANIUM اور اسی جیسے زیادہ ATOMIC NUMBER والے عناصر کے BOMBARDMENT سے جب عنصر سے عنصر ظہور پذیر ہو سکتا ہے تو عناصر اپنے ایک نئے عنصر کی ظہور پذیری بعید از قیاس نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی عنصر سے عنصر نکلا ہو اور دوسرے نے "وجہ عمل" کا کام کیا ہو۔

مزید برآں جب سارے عناصر کا جزو آخر ایک ہی ہے۔ یعنی ہر عنصر میں صرف ELECTRON, PROTON اور NUTRON ہی ہیں۔ اور انہیں جزو عنصر کی تعداد کا فرق عناصر کے طبعی اور کیمیاوی خاصیتوں کے فرق کا سبب بنتا ہے اور عناصر سے ELECTRON کی تعداد، توانائی کے ذریعہ گھٹائی یا بڑھائی جا سکتی ہے تو پھر عنصر سے دوسرے عنصر کی تشکیل پھر دوسرے سے تیسرے کی . . . . بعید از فہم و فراست نہیں۔

اب میں اپنے قارئین کی توجہ امام احمد رضا کی فلکیاتی صلاحیت کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد چہارم صفحہ ۶۱۹ کی بابت عرض کر رہا ہوں کہ ایک صاحب دین نے جب دریافت کیا کہ رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصہ کے باقی رہنے پر کھانا پینا چاہیئے کہ نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ ترک کر دینا چاہیئے تو اس کے جواب میں امام احمد رضا نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ نہ صرف آپ کی مذہبی معلومات کے گنج گرانمایہ کی عکاسی کرتا ہے بلکہ "تلاش حق" کے لئے آپ کی جو کاوشیں آپ کے جو عزائم تھے اس کے لئے بھی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

جواب میں اعلحضرت اپنے تجرباتی مشاہدوں اور فلکیاتی مطالعوں کی بنیاد فرماتے ہیں کہ مذکورہ عام طریقہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں یہاں تک کہ صرف دسواں حصہ رہتا ہے کہ اس وقت صبح ہو جاتی ہے۔

یہ تو فتویٰ کا اقتباس ہے۔ اب قارئین غور فرمائیں۔ سائل چونکہ شہر کہنہ بریلی کے رہنے والے تھے لہٰذا امام احمد رضا نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لئے روئس اور بروج کا ایک ایسا نقشہ ہی مرتب کر دیا جو تا ابدالآن مضافات کے لئے رات اور صبح کی نسبت کی نشاندہی کرتا رہے گا اور اس کا جھنجھٹ ہی نہ رہے گا کہ انتہائے وقت سحری کیا ہوگی۔ یہاں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ افق حقیقی پر انطباق مرکز شمس جانب مغرب سے اسی پر انطباق مرکز جانب مشرق تک شب نجومی ہے اور افق حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارہ آفریں شمس جانب غروب سے اسی افق سے ارتفاع کنارہ اولیں شمس جانب مشرق تک شب عرفی ہے۔ اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور سے تجاوز کنارہ آفریں شمس سے طلوع فجر صادق تک شب شرعی ہے۔ نقشہ مذکور آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

علم نجوم یا علم توقیت سے تعلق رکھنے والے قارئین ہی اب بتائیں کہ شہر مذکور کے لئے اتنا واضح چارٹ مرتب کرنے والے شخص کو ہم ماہر علم نجوم یا علم توقیت کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

دوسرے مسئلہ سحری و صبح صادق و صبح کاذب کے متعلق صبح کاذب اور صبح صادق کا جو واضح نقشہ آپ نے پیش کیا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے صرف کتابی باتوں پر اعتماد کیا نہ خالی دلائل ہندسیہ پر نہ تنہا تجربہ و ذاتی مشاہدہ پر بلکہ سب کو جمع کیا اور پھر خداداد ذہنی جدتوں سے کام لیا۔ ایک چونکا دینے والی جدت ملاحظہ کریں۔

اوّلاً صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر یعنی پھیلی ہوئی فرمایا ہے۔

ثانیاً بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے یعقبہ ظلمتہ فالافق یکذبہ یعنی کاذب کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے۔

ثالثاً بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے۔ جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے رہتا ہے تو اس وقت صبح صادق ہوتی ہے اور صبح کاذب ۱۸ درجے کے انحطاط پر۔

رابعاً سپیدی زمین کے کنارے یعنی افق سے نہیں اٹھتی بلکہ کچھ اونچائی سے اٹھتی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ افق میں بخارات کا اثر دہام اور خطوط نظر کا صدہا میل بخار وغیرہ کثافت کو طے کرکے افق تک جانا دھوپ کو نیلا کرکے دکھاتا ہے اور سرخی معلوم ہوتی ہے۔

خامساً بعض کتب میں واقع ہے کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہے اب اس کی تفصیل اعلحضرت یہ بیان کرتے ہیں کہ صبح رات کا کون ساحصہ ہوگا یہ عرض بلد پر منحصر ہے۔

لیکن عام جگہوں کے لئے مندرجہ ذیل مشاہدہ ہے۔ جو نقشہ کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) افق سے کئی نیزے بلندی پر جانب شرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح میں کرہ بخار پر رات کی تاریکی میں ایک خفیف سپیدی کا دھبہ پیدا ہوتا ہے جو صبح کاذب کی بنیاد ہے۔
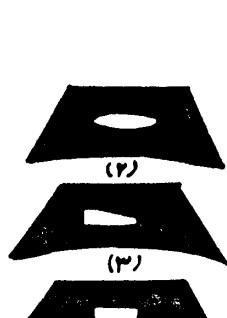
اس کے بعد ہی دونوں پہلو سپید رہتے ہیں اور شمالاً وجنوباً اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے۔ بعض نے اس وقت کو صبح قرار دیا ہے اور یہی احوط ہے اور بعض نے اسے بھی کاذب میں رکھا ہے اور یہی اوسع ہے۔

(۵)

پھر آناً فاناً جنوباً اور شمالاً پہلوؤں کی سپیدی پھیلنا شروع کرتی ہے اور خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔
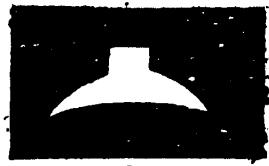
(۶)

یہ یقینی اجماعی صبح صادق ہے یہاں سپیدی والا عمود ہنوز زباقی ہے۔

مگر یہ سپیدی جیسے جیسے جنوب وشمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر چڑھتی جاتی ہے اور وہ عمود سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نقشہ ۷، ۸ اور ۹ سے ظاہر ہے۔
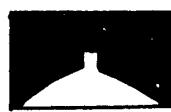
(۹) (۸) (۷)

اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی ہے اور صحن وبام کو روشن کر دیتی ہے۔ یہ وقت اسفار کا ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس سے پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلاف مستحب۔ اسی طرح رویت ہلال کے سلسلے میں آپ نے LOGRITHMIC CALCULATION سے زمین کے ایک درجہ کی قد ۶۹،۰۵۴۷ میل نکالا اور پھر طویل تشریح کے بعد مسئلہ رویت ہلال کو بالکل صاف اور واضح کر دیا۔

امام احمد رضا کے یہاں ایک نادر چیز جو ملتی ہے وہ ہے وضاحت مسئلہ خواہ کسی موضوع کا ہو۔ روحانی ہو۔ مادیاتی ہو، نفسیاتی ہو، علمی ہو مذہبی ہر جگہ مکمل وضاحت نظر آتی ہے اور تحریر میں وضاحت جب آتی کہ تحریر کرنے والے کو موضوع بحث پر عبور حاصل ہو۔ چونکہ یہاں انواع کے موضوعات ہیں اوران پر مدلل اور مکمل بحث ہے اس سے مجھے بھی۔ یہی اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی صلاحیت کسبی نہیں بلکہ الہامی تھی کیونکہ کسب کے ذریعہ اتنے علوم پر عبور حاصل کر لینا عام ذہن کا کام تو ہو نہیں سکتا بلکہ انتہائی ذہن رسا کے بھی بس سے باہر ہی ہے۔ اس لئے اس تبحر کو وہبی، حدسی اور فراست ایمانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہر کیف اللہ تبارک تعالی نے آپ کو جس طرح بھی نوازا ہو۔ ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ پوری انسانی عالمی برادری کے لئے آپ کی شخصیت اور علمی استعداد قابل فخر رہے گی۔

آپ کی تصانیف جہاں غیروں کی حق طلبی کے لئے دعوت غور و فکر ہیں وہاں ہم میں سے ان کے منہ کے لئے زور دار طمانچے بھی ہیں جنہوں نے اسلام جیسے واضح، ٹھوس اور سلجھے ہوئے مذہب میں غیروں کے دام اطماع کے زیر اثر بیجید گیاں پھیلانا اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام حنفی المذہب کے کٹر مخالف بھی جب آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو انگشت بہ دنداں رہ جاتے ہیں کہ اب دین محمدی (علی صاحبھا التحیہ والثناء) پر کس رخ سے حملہ کیا جائے۔ حالانکہ ان پر روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہے کہ دین محمدی (علی صاحبھا التحیہ والثناء) سارے مذہب عالم کے لئے اپنی مستحکمی اور پائیداری کی بنا پر چیلنج کا دعویٰ رکھتا ہے۔ یہ دین کسی بھی لچک کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔

(TABLE)

KNOWN QUANTITY	UNKNOWN QUANTITY: LOG D	UNKNOWN QUANTITY: LOG C	UNKNOWN QUANTITY: LOG A
LOG D		LOG D + 0.4971499	2 LOG D + $\bar{1}$.8950899
LOG C	LOG C + $\bar{1}$.5028501		2 LOG C + 2.9007901
LOG A	$\frac{\text{LOG A} + 0.1049101}{2}$	$\frac{\text{LOG A} + 1.0992099}{2}$	

HERE D = WIAWELIR OF THE CIRCLE
C = CIRCUM FERENCO OF THE CIRCLE
A = AREA OF THE CIRCLE

نقشہ مذکور درج ذیل ہے۔

تاریخ شمسی	راس برج	مقدار شب نجومی		مقدار شب عرفی		مقدار صبح		مقدار شب شرعی		شب عرفی کے منٹ	صبح کے منٹ	شب عرفی سے صبح کی نسبت	تخمینی نسبت
		گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ				
۱۰ر مارچ	حمل	۱۲	۰	۱۱	۵۴	۱	۲۰	۱۰	۳۴	۷۱۴	۸۰	۸۰/۷۱۴	نواں حصہ
۱۱ر اپریل	ثور	۱۱	۱۰	۱۱	۵۴	۱	۲۴	۹	۳۰	۶۶۴	۸۴	۲۱/۱۶۶	آٹھواں حصہ
۱۱ر مئی	جوزا	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۱۲ر جون	سرطان	۱۰	۱۲	۱۰	۶	۱	۳۶	۸	۳۰	۶۰۶	۹۶	۱۶/۱۰۱	چھٹا حصہ قدرے کم
۱۲ر جولائی	اسد	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۱۲ر اگست	سنبلہ	۱۱	۱۰	۱۱	۵۲	۱	۲۳	۹	۲۹	۶۶۲	۸۳	۸۳/۶۶۲	آٹھواں حصہ
۱۲ر ستمبر	میزان	۱۲	۰	۱۱	۵۲	۱	۱۹	۱۰	۳۳	۷۱۲	۷۹	۷۹/۷۱۲	نواں حصہ
۱۲ر اکتوبر	عقرب	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصے سے قدرے کم
۱۲ر نومبر	قوس	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	-	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۱۲ر دسمبر	جدی	۱۳	۴۸	۱۳	۴۰	۱	۲۵	۱۲	۱۵	۸۰۲	۸۵	۱۷/۱۶۴	دسواں حصہ
۱۰ر جنوری	دلو	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۳۲	۱۲	۰	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۱۰ر فروری	حوت	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصہ قدرے کم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

امام احمد رضاؒ

اہلِ علم و دانش کی نظر میں

امام احمد رضاؒ پر دانشوروں کے تاثرات کا ایک جدید مجموعہ حال ہی میں محترم جناب اعجاز اشرف انجم رضوی نے مرتب کیا جو عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اس پر مقدمہ لکھا ہے جو پہلی بار قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی شخصیت اتنی ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر چکی ہے کہ گزشتہ بیس برسوں میں پاک و ہند کے علماء و فضلاء اور شعراء و دانشوروں نے اُن کی سیرت و کردار اور افکار و خیالات پر کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ایسے بہت سے حضرات کے تاثرات و مقالات، مقالاتِ یوم رضاؒ، معارفِ رضا، امام احمد رضا اور اربابِ دانش، جہانِ رضا اور خیابانِ رضا وغیرہ کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں ——— یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ چنانچہ برادرم جناب اعجاز اشرف انجم رضوی صاحب نے تاثرات و مقالات کا ایک اور مجموعہ مرتب کیا ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ اس مجموعے میں مندرجہ ذیل حضرات کے تاثرات و مقالات نہایت وقیع ہیں اور قابلِ غور:۔

۱۔ ڈاکٹر سیّد محمد عبداللّٰہ ۔ لاہور
۲۔ حکیم محمد سعید دہلوی ۔ کراچی
۳۔ ڈاکٹر عبدالرشید ۔ کراچی
۴۔ پروفیسر امتیاز احمد سعید ۔ اسلام آباد
۵۔ ڈاکٹر پیر محمد حسن ۔ راولپنڈی
۶۔ سید ہاشم رضا ۔ کراچی
۷۔ پروفیسر کرم حیدری ۔ اسلام آباد
۸۔ جناب رئیس امروہوی ۔ کراچی
۹۔ سیّد مسعود حسن شہاب ۔ بہاولپور
۱۰۔ پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش ۔ میرپور خاص ۔

ان حضرات کے تاثرات پڑھ کر معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ امام احمد رضاؒ کو متبحّر اور جامع الصّفات عالم، عبقری و مجدد، فقیہہ و دیدہ ور سیاستداں، ہادی و رہنما اور عالمگیر مقبولیت کا حامل انسان سمجھتے ہیں ــــــ چنانچہ پاکستان کے جانے پہچانے ماہر تعلیم اور محقق ڈاکٹر سید محمد عبداللّٰہ، امام احمد رضاؒ کے علم و فضل پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" سپہر فضیلت کے آفتاب تھے اور تصانیف کے ذریعہ ایسی روشنی ہمیں دے گئے کہ ہمیں اس سے مستفید ہوئے بغیر چارہ نہیں ۔"

اور عالمی شہرت یافتہ حکیم محمد سعید دہلوی، امام احمد رضاؒ کی علمیّت کے بارے میں یہ اعتراف کرتے ہیں :۔

" وہ اپنی علمی جامعیت کی وجہ سے قدیم علماء کی نمائندگی کرتے تھے ۔"

اور اسی وسعتِ علمی اور جامعیت کا ذکر کرتے ہوئے پاکستان کے مشہور صحافی اور شاعر و ادیب جناب سیّد مسعود حسن شہاب لکھتے ہیں :۔

"فاضل بریلوی ایک ایسی ہمہ گیر اور جامع الصفات شخصیت کے مالک ہیں کہ جنہیں جس رُخ سے دیکھا جائے اُن کی عظمت کے نقوش ابھر کر سامنے آجاتے ہیں ۔"

اور اسی جامعیت کا ذکر کرتے ہوئے کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب لکھتے ہیں :۔

حضرت احمد رضا خاںؒ کی شخصیت ایسے بحرِ بیکراں کی مانند ہے جس سے موتی حاصل کرنے کے لیئے ماہر غوطہ کی ضرورت ہے آپؒ کی ذات میں سب کچھ ہے ۔"

امام احمد رضاؒ کی وسعتِ علمی اور جامعیت اس کمال کی تھی کہ بجا طور پر آپؒ کو ایک بے مثال "عبقری" قرار دیا جاسکتا ہے ۔ چنانچہ پاکستان کے مشہور فاضل ، اسلامیہ یونیورسٹی ، بہاولپور کے سابق شیخ الادب اور عربی کی عظیم لغت کے مصنف ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب امام احمد رضاؒ کی قدرتِ کلام پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"زورِ کلام ، روانی اور بندش کی پختگی حیران کن ہے ۔ پھر ایک ہی نظم میں ایک مصرع عربی میں ، دوسرا فارسی میں ، تیسرا اردو میں اور چوتھا پوربی زبان میں ـــــــ یہ تمام باتیں صاحبِ نظم کے عبقری ہونے کی دلیل تھیں ۔"

علم و فضل میں کمال حاصل کرنا اپنی جگہ ـــــــ مگر یہ تو خود کو بنانا ہے ـــــــ اصل کمال یہ ہے کہ دوسروں کو بنایا جائے ۔ اور یہ کام وقت کا

ایک مصلح و مجدّد ہی کر سکتا ہے ــــــــ امام احمد رضاؒ کی شخصیت میں علم و فضل کے علاوہ مجدّد اور امامت کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔ اسی لئے اربابِ علم و دانش نے آپؒ کو مجدّدِ وقت تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر امتیاز سعید صاحب (وزارتِ امورِ مذہبی، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد) داشگاف لکھتے ہیں:-

"وہ بلاشبہ ایک مجدّد کی حیثیت رکھتے ہیں"

اور سندھ کے مشہور شاعر و قلمکار، پروفیسر فیاض احمد خان کاوش (صدر شعبۂ اردو۔ ایس۔ اے۔ ایل گورنمنٹ کالج۔ میرپور خاص) لکھتے ہیں:-

"اِن تمام حقائق کی روشنی میں "فقیہہ اعظم" کے منصب کے وہ صحیح طور پر حقدار ہیں ــــــــ اور "مجدّدِ ملّت" کے زرّیں تاج کے سر بردار ہیں ــــــــ "امامِ اہلِ سنّت" کا سہرا انہیں کے سر سجتا ہے۔ اور "مدبّرِ اعظم" کا طرّہ انہیں کو بجتا ہے۔"

دانشوروں اور دیدہ وروں نے امام احمد رضاؒ کے تدبّر کے آگے سرِ تسلیم خم کیا ہے اور دل کھول کر خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے معروف دانشور جناب سیّد ہاشم رضا، امام احمد رضاؒ کے تدبّر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کی دور بینی کا سب سے بڑا ثبوت اُن کی نگارشات اور تقاریر ہیں جن میں انہوں نے ہندو اور مسلمانوں کو دو مختلف قومیتیں قرار دیا ہے اور اپنے دعوے کی مکمل دلیل پیش کی ہے۔ اسی دو قومی نظریہ کی بناء پر قائدِ اعظم محمد علی جناح اور اُن کے رفیقوں نے پاکستان منزل سر کی"

امام احمد رضا کے تدبّر، بے پناہ بصیرت اور عاقبت اندیشی کی وجہ سے

دانشوروں نے آپؒ کو "چراغِ راہ" تسلیم کیا ہے۔ اور امام احمد رضاؒ کی راہوں پر چلنے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ پروفیسر کرم حیدری (ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد) لکھتے ہیں :-

"اس دور میں ہمیں امام احمد رضاؒ کے مسلک پہ چلنے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہماری بازیافت اور مستقبل میں قومی اور ملّی پیش رفت کے لیئے انتہائی ضروری ہے"

اس میں شک نہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفروشانہ محبت اور آپؐ کی والہانہ اطاعت و پیروی ہی ذلت و نکبت سے ہماری نجات کا آخری وسیلہ ہے ــــــــ امام احمد رضاؒ نے اس محبت کو جگایا اور بیدار رکھا ــــــــ جب سب سُلا رہے تھے، وہ جگا رہے تھے ــــــــ اُن کا ترانۂ محبت ہر دل کی آواز بن کر چہار دانگ عالم میں گونجا ــــــــ پروفیسر کرم حیدری اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اس امر میں کسی انکار کی گنجائش نہیں کہ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کے اشعار،

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ

کے بعد دنیا میں جو سلام سب سے زیادہ مقبول ہے وہ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کا سلام ہے

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

بلا شبہ پروفیسر حفیظ تائب نے سچ کہا ہے

آپ کے فیض سے لوٹ آئی بہارِ رفتہ

مرجِ بستانِ رسالت بھی ہیں اعلیحضرتؒ

امام احمد رضاؒ نے ملّتِ اسلامیہ میں محبتِ مصطفےٰ کی روح پھونکی ہے۔ انہوں نے ملت کو جگایا، بنایا ـــــــ وہ ساری عمر بناتے رہے۔ اُن کی پوری زندگی تعمیرِ ملت میں گزرگئی ـــــــ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے پاکستان کے مشہور شاعر اور دانشور جناب رئیس امروہوی لکھتے ہیں:۔

"آدم سازی اور انسان گری ایک ایسا عطیۂ قدرت ہے جس کی استعداد و صلاحیت صرف منتخب افراد کو بخشی جاتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو انسان کے "نجات دہندہ" کہلاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام کے بعد انہیں کے توسط سے یہ انقلاب انگیز اور فوق البشر ملکہ بعض برگزیدہ بندگانِ خدا کو ودیعت کیا جاتا ہے۔

اعلیحضرتؒ کا شمار انہیں بندگانِ برگزیدہ میں تھا۔"

اس میں شک نہیں امام احمد رضاؒ "آدم ساز" بھی تھے اور "انسان گر" بھی اُن کو ملّتِ اسلامیہ کا "نجات دہندہ" کہنا بجا طور پر درست ہے جب دلوں کو ویران کیا جا رہا تھا، جب ملت کا شیرازہ منتشر کیا جا رہا تھا ـــــــ امام احمد رضاؒ دلوں کو آباد کر رہے تھے، ملّت کی شیرازہ بندی کر رہے تھے ـــــــ انہوں نے جوانانِ ملّت کو ایک نیا ولولہ دیا، ایک نیا عزم دیا، ایک نیا حوصلہ دیا ـــــــ ذہنی غلامی سے آزاد کر کے ایک نئے جہاں کی خبر سنائی ـــــــ زندہ باد اے احمد رضاؒ!

سید ریاست علی قادری

امام احمد رضاؒ

اپنی تصانیف کے آئینہ میں

امام احمد رضا قدس سرہٗ ایک کثیر التصانیف عالم دین تھے ان کی تصانیف کے بارے میں جو تحقیق کی گئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۵ علوم و فنون پر اُن کی تصانیف اور شرح و حواشی کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، جس میں تقریباً نصف علم فقہ و حدیث سے متعلق ہیں۔ یہ تعداد پاک و ہند کے کسی عالم کی تصانیف میں نظر نہیں آتی۔

میرے مقالہ کا موضوع ہے "امام احمد رضاؒ اپنی تصنیفات کے آئینہ میں"۔ امام احمد رضاؒ کی تصانیف کا جب ذکر آتا ہے تو محققین و دانشوروں کی یہ متفقہ رائے ہے کہ کثرتِ تصانیف میں وہ وحید دہر اور فرید عصر تھے۔ آپؒ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد شمار کی گئی ہیں۔ اور اس قول کی صحت و صداقت پر ٹھوس شواہد موجود ہیں۔ امام احمد رضاؒ کے شاگرد اور ممتاز خلیفہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری نے ۱۳۲۷ھ تک آپؒ کی تصانیف کی فہرست کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دے کر "المجمل المعدد لتالیف المجدد" کے نام سے شائع کیا۔

اس کتاب میں ۳۵۰ کتابوں کا تعارف کیا گیا۔ اس فہرست کی اشاعت
کے بعد ۹۶ رسائل اور دستیاب ہوئے جن کی مولانا ظفر الدین بہاری
نے اس طرح تصریح فرمائی ہے کہ یہ فہرست ۱۳۲۷ھ تک کے مؤلفات و
مصنفات کی بھی مکمل نہیں ہے بلکہ اس وقت معتبر و مستند ذرائع سے
جن کتب کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ درج کر دیئے گئے ہیں۔ امام
امام احمد رضاؒ ۱۳۲۷ھ کے بعد ۱۳ سال تک بقید حیات رہے اور اپنا
بیشتر وقت تصنیف و تالیف میں صرف کیا۔ آپؒ کی زندگی کا آخری
دور آپؒ کی نگارش اور قلمی کاوشوں کا مصروف ترین دور تھا۔ سرعت
نگارش کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک، دو دو دن میں ایک پوری کتاب
قلمبند فرما دیا کرتے تھے۔ صاحب نزہتہ الخواطر مولانا عبدالحئی لکھنوی
نے جلد ہشتم میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا
ہے کہ حیات بے ثبات کے آخری ایام تک امام احمد رضاؒ کی تصانیف
کی تعداد یقیناً ایک ہزار سے تجاوز کر گئی ہو گی۔ انوار رضا۔ لاہور اور المیزان
بمبئی میں آپؒ کی تصانیف و تالیف کے تحت ۵۴۸ کتابوں کے نام درج
ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) میں ڈاکٹر حسن رضا نے اپنے
تحقیقی مقالے "فقیہہ اسلام" میں امام احمد رضاؒ کے ۶۶۲ کتب و حواشی
کی تفصیلی فہرست دی ہے۔ ڈاکٹر حسن رضا نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری
کے حصول کے لیئے یہ مقالہ تحریر کیا تھا جو ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج ٹھٹھ نے اپنی
تصنیف "حیات مولانا احمد رضا خان بریلویؒ" میں امام احمد رضاؒ کی ۵۴۸
کتب و حواشی کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف

ENCYCLOPAEDIA OF IMAM AHMAD RIDA

ترتیب دے رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ پندرہ جلدوں پر مشتمل

Biographical Encyclopaedia of Imam Ahmad Rida

بھی لکھ رہے ہیں۔

امام احمد رضاؒ کے فرزندِ اصغر اور میرے پیر و مرشد حضرت مولانا مصطفٰے رضا خان مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے تلمیذِ رشید مفتی محمد اعجاز ولی خان مرحوم نے اپنی تحقیق کی بناء پر امام احمد رضاؒ کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد لکھی ہے۔ حضرت مولانا مفتی وقار الدین صاحب سابق ممبر مرکزی رویّت ہلال کمیٹی اور مفتی دارالعلوم امجدیہ کراچی کی تحقیق کو اگر سامنے رکھا جائے تو ہمارے اس دعویٰ کو تقویت ملتی ہے کہ امام احمد رضاؒ جامع علوم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کثیر التصانیف عالم تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب بھی مجھے کسی کتاب میں کوئی مشکل پیش آتی تو اس کا حل یہ ہوتا کہ امام احمد رضاؒ کے کتب خانہ سے اس کا نسخہ حاصل کر لیتا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہتی کہ اُس پر امام احمد رضاؒ کا قلمی حاشیہ ضرور ہوتا جس کے مطالعہ سے میں اُن مشکل مقامات کی تفہیم سے عہدہ برا ہو جاتا اور میری تدریسی دشواریاں حل ہو جاتی تھیں۔

امام احمد رضاؒ نے نہ صرف مختلف علوم و فنون پر سینکڑوں کتب تصنیف فرمائیں بلکہ بیشتر علوم و فنون کی مشہور و معروف کتابوں پر حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ جن سے اُن کی خداداد ذہانت، دقّتِ نظر اور تبحّرِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام احمد رضاؒ کی تصانیف میں یوں تو ہر کتاب اور ہر رسالہ اپنی جامعیت

افادیت کے لحاظ سے منفرد اور بے مثال ہے لیکن اعلیحضرت امام احمد رضاؒ کی تصانیف میں گرانقدر تصنیف فتاویٰ رضویہ ہے جو بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے فقیہہ تھے جو قوتِ اجتہاد، بصیرتِ فکر، ذہانت، تعقّل اور علمی استحقاء میں دُور دُور تک اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ وہ علم و فن بھی جانتے تھے۔ فن کے تکنک اور اُس کی باریکیوں پر بھی اُن کی نگاہ تھی۔ اُنہیں معنی فہمی بھی آتی تھی اور نکتہ آفرینی بھی۔

امام احمد رضاؒ نے علم و فن کی دنیا میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ یہ اضافہ اپنی علمی و دینی افادیت کے علاوہ اس لیئے بھی لائقِ تحسین ہے کہ اس کا تعلق مسلمانوں کے دَورِ انحطاط سے ہے جبکہ دشمنوں نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور اُس وقت مسلمانوں کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ ہر سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ امام احمد رضاؒ نے غلامی کے اندھیروں میں شمعِ آزادی کو روشن رکھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمان سیاسی میدان میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ لیکن اُن کے علم کی فرماں روائی عروج پر تھی۔ اقتدار و حکومت ختم ہو جانے کے باوجود سلطنتِ علم و دانش میں مسلمانوں کا راج تھا۔

یہاں مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم عقیدت مندانِ اعلیحضرتؒ بجائے اس کے کہ امام احمد رضاؒ کے علمی تبرکات جو آپؒ نے بطورِ امانت ہمارے پاس چھوڑے ہیں انہیں منظرِ عام پر لاتے، اُن کی یاد سے بھی غافل ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس ہماری دینی مصروفیات اور عقیدت مندی محض چند رسوم تک محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ کاش ہم

اندازہ کر سکتے کہ جس محسن نے اپنی پوری زندگی علم کی خدمت میں صرف کر دی
اور ہم کو وہ علمی خزانہ عطا کیا کہ اگر اُس سے استفادہ کرتے تو ثریا پر کمندیں
ڈال سکتے تھے۔ لیکن افسوس کہ ہم امام احمد رضاؒ سے عقیدت مندی کا دم تو
بھرتے ہیں لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ یہ بات
حق پر مبنی ہے کہ ہم بھی ان کے خوشہ چینوں میں شمار ہونا ہم اپنے لیئے باعثِ
سعادت سمجھتے ہیں اُس کی فراموشی کے لیئے ہمارا ایک ایک عمل گواہ ہے۔
ایک مخلص عقیدت مند وہ ہیں کہ اپنے اکابر کی قلیل تصانیف کی تعداد میں
اس طرح اضافہ کر رہے ہیں کہ اُن کے بعد اُن کے عقیدت مند قلم جنبش میں
لاکر اُن کے نام سے کتب تصنیف و تالیف کر کے اُن کی شہرت اور
وقارِ علمی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ اور مقصد اُن کا یہ ہے کہ کثرتِ تصانیف
میں کسی نہ کسی طرح اُن کو امام احمد رضاؒ کے مدِ مقابل لا سکیں اور امام احمد رضاؒ
کی عظمت کے بلند مقام کی انفرادیت کو ختم کر دیں۔ دوسری طرف وہ ہیں
کہ جن کی نگارش کے نتائج حقیقت میں مایۂ فخر تو نہیں تھے لیکن اُن کے
عقیدت مندوں نے اُس کو ایک عظیم کارنامہ قرار دے کر اس طرح
خراجِ تحسین پیش کیا کہ اُن کی شہرت کی بلندی آسمان کو چھونے لگی اور ایک
ہم ہیں کہ خوانِ نعمت ہمارے سامنے بچھا ہے لیکن ہم میں اتنی سکت نہیں
کہ ایوانِ نعمت سے لذت آشنا ہو سکیں۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں ہر بات تحقیق کے معیار پر پرکھی اور
درائیت کی کسوٹی پر کسی جاتی ہے دنیائے رضویت نے اپنے محسن کے
علمی اور دینی کارناموں کو اس طرح بھلا دیا ہے جیسے وہ اور اُن کے علمی
کارنامے نہ قابلِ ذکر تھے اور نہ قابلِ ذکر ہیں۔ اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو

سکتا ہے کہ ہم علمی دولت کا ایک گنج گرانمایہ رکھتے ہوئے بھی خالی ہاتھ ہیں۔ حیف صد حیف : امام احمد رضاؒ کے مخالفین کا تو ذکر ہی کیا خود اُن کے عقیدت مندوں نے اُن کو سب سے زیادہ اور زبردست نقصان پہنچایا۔ اور اس تاریخ ساز ہستی کے ساتھ وہ ظلم کیا کہ بیگانے بھی تڑپ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا کرمِ خاص اور شانِ اعلیحضرتؒ تو دیکھئے کہ ہماری اس بے اعتنائی اور مخالفین کی سازشوں کے باوجود امام احمد رضاؒ کو وہ عظمت و شہرت حاصل ہوئی کہ اپنے اور غیر دونوں حیران و ششدر ہیں۔ اور آج اُن کی شہرت کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔

ابھی تو امام احمد رضاؒ کی تصانیف میں سے ایک چوتھائی بھی منظرِ عام پر نہیں آئیں۔ جن کو دیکھ کر اب محققین و مخالفین بھی معترف نظر آتے ہیں کہ امام احمد رضاؒ جیسی جامع العلوم شخصیت کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ کثرتِ تصانیف میں اُن کا مقام علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ رازی اور امام غزالی سے کسی طرح کم نہیں۔ محققین و مخالفین کے خیالات میں اس تبدیلی کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ انھوں نے امام احمد رضاؒ کی تصانیف کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہو کر اپنی شرافتِ علمی کے باعث ایک کھلی حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور اپنی محققانہ دیانت کو تعصب کا شکار نہیں ہونے دیا اور وہی کچھ کہا جس کے ٹھوس شواہد اور حقائق اُن کی نگاہوں کے سامنے تھے۔

اس سلسلے میں امام احمد رضاؒ کے عقیدت مندوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور مخالفین پر بھی۔ عقیدت مندوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ اظہارِ عقیدت محض زبان سے نہیں عمل سے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عمل

ہی سے جنّت و جہنم بنتی ہے ۔ اس وقت فکر و عمل اور امام احمد رضاؒ کے افکار و خیالات کو پھیلانے کی جتنی ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی ۔ یہ نکتہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں کہ کن کن حیلوں اور ہتھکنڈوں سے قلوبِ مسلم سے عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ مٹانے کی کوششیں جاری ہیں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء و مشائخ اور عوام و خواص سب کو اپنے اپنے حلقوں میں اعلیحضرت امام احمد رضاؒ کے مشن کو آگے بڑھانے میں مثبت کردار ادا کرنا چاہیئے ۔

معزّز سامعین !

امام احمد رضاؒ کے مخالفین سے یہ عرض کرنا ہے کہ جو ادارے امام احمد رضاؒ کے افکار و کردار پر علمی و تحقیقی کتابیں منظرِ عام پر لارہے ہیں اُن کو حق پسندی کے ساتھ پڑھیں ۔ کیونکہ ان اداروں کی مطبوعات اور امام احمد رضاؒ کی تحقیقات دراصل اہلِ علم اور اہلِ فکر کے لیئے ہیں ۔ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ بغیر پڑھے اور تحقیق کیئے محض افواہوں اور بہتان طرازیوں پر یقین کر کے امام احمد رضاؒ کے بارے میں ایسے خیالات دل میں جمالیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ۔

محترم حضرات !

ہماری مساعی کا مقصد کسی کی مخالفت نہیں بلکہ ہمارا مقصد اسلام اور صرف اسلام کی حمایت کرنا ہے جو امام احمد رضاؒ کا مطلوب و مقصود تھا ۔ اور یہ مقصد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچّی محبت کرنے میں مضمر ہے ۔ اس لیئے ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس شیدائی کی یاد منانے کے لیئے یہاں جمع ہوئے ہیں جس نے ہمیں محبت کرنے کا قرینہ اور ڈھنگ

بنایا۔ ہم مثبت مساعی کے قائل ہیں۔ امام احمد رضاؒ کی شخصیت اور فکر کو اسی لئے ابھارنے کی جد وجہد کر رہے ہیں کہ اس سے اسلام کو بے انتہا تقویت ملے گی۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تازگی آئے گی۔ ہمارے دل قرآن اور صاحبِ قرآن کی طرف چل پڑیں گے۔ بارگاہِ ربُ العزت میں سرخروئی کا سامان ہوگا۔ یہی محبت ہماری بخشش و نجات کا سبب بنے گی اور جوان اپنے اسلاف کے شاندار کارناموں سے واقف ہو کر خود اعتمادی کے ساتھ عظمتِ رفتہ کی بازیافت کے لیئے جد وجہد کریں گے۔ اور پھر نیا آسمان ہوگا، نئی زمین ہوگی، نئی زندگی ہوگی، اسلام ہوگا اور ہم ہوں گے۔

اصلاحِ معاشرہ اور تعلیمی میدان میں حکومتِ وقت بہت کچھ کرنا چاہتی ہے اور اس سلسلے میں اگر واقعی وہ کچھ کرنا چاہتی ہے تو میں اس ایوان کے سامنے منظوری کے لیئے چند مطالبات پیش کرتا ہوں جو نہایت اہم ہیں۔ یہ ایوان حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ :-

۱۔ ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیئے حکومتِ پاکستان نے جو قانون بنایا ہے اُس کو سختی سے نافذ کیا جائے اور ہر ایسی کتاب کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے جس میں شانِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخانہ اور بے ادبانہ عبارات ہوں۔

۲۔ ملک کے تمام ہائی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فوری طور پر تجوید و قراءت سے واقف مستند قاری مقرر کیئے جائیں جو کالج کے طلبا و اساتذہ دونوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قرآن کی طرف بھرپور توجہ ضروری ہے۔ یہی وہ قرآن ہے جس کو ہاتھ میں لے کر قائدِ اعظم نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا۔ حکومتِ پاکستان کے خزانے پر قرآن کا پورا پورا حق ہے

اور یہ حق بہر صورت اس کو ملنا چاہیئے۔

۳۔ تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیئے ناظرہ قرآن مجید کا امتحان لازمی قرار دیا جائے جو اس امتحان میں کامیاب ہو اُسکو داخلہ میں اوّلیت دیجائے۔

۴۔ تعلیمی اداروں میں پاکستان اسٹڈیز کے نصاب میں جو غیر تحقیقی باتیں شامل کردی گئی ہیں، حقائق کی روشنی میں اُن کی اصلاح کی جائے اور تاریخ کو فرقہ وارانہ رنگ سے محفوظ رکھا جائے۔

۵۔ پاکستانی جامعات اور تحقیقی اداروں کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے یہاں کھلے دل سے امام احمد رضاؒ پر تحقیق کی اجازت دیں اور رکاوٹ ڈالنے والے افراد کے خلاف محکمہ جاتی کارروائی کی جائے۔

۶۔ ٹی وی اور ریڈیو کے پروگراموں میں اگر اُن علماء پر گفتگو ہو سکتی ہے جنہوں نے پاکستان کی مخالفت کی تو امام احمد رضاؒ اور اُن کے متبعین علماء و صوفیاء پر بولنے کی اجازت ملنا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے پاکستان کے لیئے فکری اور عملی فضا ہموار کی اور کانگریسی علماء کے مقابلے میں صالح فکر کو پروان چڑھایا۔

پروفیسر سید عبدالقادر
(سابق اُستاد)
(گورنمنٹ کالج کیرالہ، بھارت)

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان بریلوی

پروفیسر سید محمد عبدالقادر صاحب ہندوستان کے ایک جہاندیدہ اور کہنہ مشق قلمکار ہیں۔ وہ ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے، امام رضا کے وصال کے وقت سترہ سال کے تھے۔ اس وقت اسی سال کے ہیں۔ ڈاکٹر سرضیاء الدین، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، علامہ عبداللہ یوسف علی وغیرہ (مرحومین) سے ان کی ملاقات اور مراسلت رہی۔

علامہ سید سلیمان اشرف بہاری (صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) آپکے استاد تھے۔ وہ ۱۹۵۴ء میں حج مبارک کی سعادت سے مشرف ہوئے اس مبارک سفر میں انہوں نے سعودی عرب کی ہمہ جہت ترقی کے لئے شاہ سعود کو ایک جامع منصوبہ پیش کیا۔ موصوف نے امام احمد رضا پر ایک طویل مقالہ (جو کہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے)۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کو حیدرآباد دکن بھارت) سے ارسال کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ مقالہ ادارہ ہذا کو عنایت فرمایا۔ ادارے نے پروفیسر حافظ عبدالباری صدیقی سے درخواست کی کہ وہ اس مقالے کا انتخاب تیار کریں۔ یہ انتخاب انہیں کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

ادارہ مقالہ نگار پروفیسر سید عبدالقادر صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہے۔ اور ساتھ ہی پروفیسر حافظ عبدالباری صدیقی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے۔

ادارہ

اُجالا جس کے دم سے تھا اندھیرے جس سے تھے لرزاں
اسی شمعِ فروزاں کی کمی ہے آج محفل میں

امام احمد رضاؒ

حقیقت بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں یہ لڑکا عالم آفتاب ہوگا۔
ایک عالم باللہ سے "احمد رضا خان صاحب" کی ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور دیکھتے ہی رہے، بڑی دیر تک دیکھنے کے بعد فرمایا۔ "رضا علی خان کے کون ہو؟" آپ نے فرمایا "اُن کا پوتا ہوں"۔ یہ سُن کر انہوں نے فرمایا "جبھی" اور یہ کہہ کر فوراً وہاں سے تشریف لے گئے۔ خداداد ذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے ایسے کئی ایک واقعات پیش آئے۔ کہ آپ کی بے پناہ ذہانت و فطانت دیکھ کر بڑے بڑے لوگ حیران رہ گئے۔

صداقت، راست گفتاری، نیک نفسی و پاکبازی شرافتِ نفس اور اعلیٰ ظرفی کے سبھی افرادِ خانہ اور اہلِ تعلق معترف و مدّاح تھے۔ بڑوں کا ادب، اساتذۂ علماء و مشائخِ کرام کا احترام حسنِ عقیدتمندی، اس جیسی ساری خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ ابتدا ہی سے اساتذہ اور بزرگوں کے منظورِ نظر تھے اور ہر ایک کی نگاہوں کے منظورِ نظر بن گئے آپ نے تعلیم سے کبھی گریز نہ کیا شوق نے ہمیشہ یاری کی۔ مولانا احسان حسینؒ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ وہ خود فاضل بریلویؒ کے ابتدا ہی سے

ہم سبق رہے ہیں ۔ اُستاد سے کبھی چوتھائی کتاب سے زیادہ نہ پڑھی۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان صاحب نے عشق و محبت کی زبان میں قرآن حکیم کا ترجمہ فرمایا ہے ۔ جو ۱۹۱۱ء میں مکمل ہوا ۔ جس کا نام "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" رکھا گیا۔

"بے خبر کود گیا آتشِ نمرود میں عشق" کتب تفسیر و لغت دیکھے بغیر آپ زبانی فی البدیہہ بولتے جاتے تھے اور صدر الشریعت اسے لکھتے جاتے تھے ۔ جب صدر الشریعت اور دیگر علماء اس ترجمہ کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتے کہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق اور اُن کا ترجمان ہے ۔ ملک شیر محمد اعوان از کالا باغ فرماتے ہیں ۔

"یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی ، گویا لفظ اور محاورہ کا حسین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بڑی خوبی ہے"

اس ترجمے سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے ۔ یہ ترجمہ سلیس شگفتہ و رواں دواں ہونے کے علاوہ روح قرآن اور حدیث کے بہت قریب ہے ۔ آپ کی قرآن فہمی بے مثال ہے ۔

علوم حدیث میں آپ کو نمایاں مقام حاصل ہے ۔ احادیث کریمہ کا ایک بحر ذخار آپ کے سینۂ مبارک میں موجزن تھا ۔ جس موضوع پر بھی آپ کا قلم اُٹھتا تھا اسلامی مزاج افکار و نظریات کی حمایت اور کفر و بطالت کی تردید میں احادیث کریمہ کا انبار لگا دیتے تھے ۔ کہ پڑھنے والے کا کلیجہ ٹھنڈا اور آنکھیں روشن ہوں ۔ اپنے والد ماجد مولوی نقی علی خاں صاحب اور سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمۃ ، حضرت سید عابد سندھی اور شیخ الاسلام علامہ احمد زینی

دحلان، مفتی مکّہ مکرمہ وغیرہ سے سند حدیث کی اجازت تھی۔

علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰحضرت کے پاس کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو تقریب تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا آپ فوری بتا دیتے تھے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح ہے۔ اسکو کہتے ہیں علم راسخ۔

والرّاسخون فی العلم،

اور علم سے شغف کامل

علمی مطالعہ کی وسعت، اور خداداد علمی کرامت۔

علم را تحقیق خوانی تا شوی مردِ کمال،

آپ کی فقاہت کا اعتراف تو عرب وعجم کو ہے۔

"العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کی بارہ ضخیم مجلدات پر مشتمل آپ کا فقید المثال شاہکار ہے۔ جسے بجا طور پر علوم ومعارف کا گنجینہ اور فقہی انسائیکلو پیڈیا قرار دیا جا سکتا ہے اب تک اس کی چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اہلِ علم کی نظر سے جب یہ کتاب گذرتی ہے۔ تو امام احمد رضا صاحب کی فقہی بصیرت اور باریک بینی، ژرف نگاہی دیکھکر حیران وششدر رہ جاتے ہیں۔

ان مسائل میں ہے ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

مشاہیر علمائے اسلام کا خیال ہے کہ تقریبًا دو صدی سے آپ جیسا کوئی دوسرا عالم متبحر فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ حضرت شیخ محمد اسمٰعیل محافظ کتب خانۂ حرم شریف مکّہ مکرمہ کا بیان ہے۔ جو کہ دیدۂ حیرت سے پڑھنے کے قابل

ہے، لائق ہے، فاضل بریلوی کی ایک تحقیق پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں

وَاللّٰہِ اَقُوْلُ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ
اِنَّہٗ بُوْرَاْھَا اَبُوْحَنِیْفَۃَ النُّعْمَانِ
لَاَقَرَّتْ اَعْیُنَہٗ وَلَجَعَلَ مُؤَلِّفَھَا
مِنْ جُمْلَۃِ الْاَصْحَابِ

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور بالکل سچ کہتا ہوں کہ اگر اسے امام اعظم ابوحنیفہ النعمان دیکھتے تو بلاشبہ یہ مسئلہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور یقیناً اس کے مؤلف کو وہ اپنے اصحاب میں۔ امام محمدؒ، امام ابویوسف اور امام زفر رضی اللہ عنہم میں شامل فرما لیتے۔

فتاویٰ رضویہ کے فتاویٰ کثیر التعداد آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ کریمہ اور روایاتِ اصول و فروغ کی بوجھل شہادتوں سے گرانبار ہیں۔ پس علوم وفنون کا ایک بہتا ہوا سمندر ہے۔ جس سے بڑے بڑے غوّاص معلومات کے ہزاروں لاکھوں جواہر نکالا کرتے ہیں۔

نعیم الدین صاحب مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان ارشاد فرماتے ہیں۔

"علم فقہ میں جو تبحّر و کمال حضرت امام احمد رضا خان کو حاصل تھا۔ اس کو عرب وعجم مشارق و مغارب نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ دو لفظوں میں یوں سمجھیے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتار کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کے فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔

اعلیٰحضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں اُنکی نظیر آنکھوں نے

نہیں دیکھی ہے ۔

وہ کیسی مبارک ساعت تھی کہ فیثا غورث کے مسئلہ کا اشکال اور سفرِ جرمنی کا عزم ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کو در پیش اور فقید المثال پروفیسر مخلص علامہ سید سلیمان اشرف، صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی کی ہمراہی میں ورود فرمائے بریلی شریف ہوتے ہیں ۔ تعارف ہوا ۔ اور رختِ سفرِ جرمنی و اشکالِ ہندسوی ۔ (فیثا غورث) عصر اور مغرب کے درمیان خود ڈاکٹر صاحب پیشِ حضور فرما رہے ہیں ۔ جب سر ضیاء الدین احمد کہہ چکے تو خود اُن کا اپنا بیان ہے کہ اعلحضرت مسئلہ کا حل ایسے بیان فرما رہے ہیں گویا غیبی کتاب سامنے کھلی ہے اور اعلحضرت اس پر نظر جمائے گویا پورا حل ڈکٹیٹ Dictate فرما رہے ۔ پروفیسر کا ایمان ایسا جاگ اٹھا ۔ فوری بول اُٹھے ۔ میں سُنتا تو تھا علم لدنی ہے ۔ قرآن میں وارد ہے، وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ؕ اور اُسے اپنا علم لدنی عطا کیا ۔ ثبوت اس مقدس صحبت میں مل گیا ۔ مزید کہا اس علم معقولات کے ایکسپرٹ سے ، ہے ، اس سے پہلے ربط و روابط پیدا ، اگر کر لئے ہوتے کاش یورپ کی کشاکش علمی کی قاطعتاً ضرورت ہی نہ ہوتی ۔ یہاں ہمیں وہ سب کچھ ملجاتا جو لیپزک اور کیمبرج یونیورسٹی کے نہاں خانۂ علم سے مل پاتا ایسا مسلم الثبوت پروفیسر ریاضی جب اتھاہِ سمندرِ ریاضی سے یہ جواہر پارے رول چکا ہے تو پھر میرے ناظرین کو اس امر پر غور کرنا ہوگا کہ جو مولانا نقی علی خاں نے اعلحضرت کی رغبت نظر، ریاضی دیکھ کر فرمایا تھا یہ کیا ہے ؛ ریاضی ؛ سیاہم کے تحت والد محترم نے فرمایا ۔ بس اتنی ریاضی تمہیں کافی ہے ۔ اس امتناع تبریک پر یہ عالم کہ سر ضیاء الدین کو حل العقد کر دیا ۔ اگر یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ مولانا نقی علی خاں اپنے فرزند جمیل کی سہل الممتنع بے مثال تفسیر قرآن کو

برای العین دیکھ رہے تھے ۔ ناصیۂ فرزند میں بلکہ آپ کے فتاوی کے ہزاروں صفحات کی تدوین پر نظر جم چکی تھی ۔ اور اعلیحضرت نے شان اور حلم و وقار کے پیکر کو شعبۂ دینیات کی سرورِی و پروفیسری کے لئے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں مولانا سلیمان اشرف کو اپنی بالغ نظر میں منتخب ہی نہیں بلکہ تقرر کرا دیا بس پھر کیا تھا۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین پابندِ صوم وصلوٰۃ ہوگئے ۔ نماز باجماعت پڑھنے لگے ۔ داڑھی چھوڑی ۔ اور پورے شعبۂ دینیات پر سید سلیمان اشرف کے زیرِ نگیں عقائد صالحہ آگئے ۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مولانا سید سلیمان اشرف سے راقم الحروف کو بھی شرف تلمذ حاصل ہے اور جب میں نے حیدرآباد سے مسلم یونیورسٹی کا رُخ کیا تو محی یار جنگ عرف ہنٹر کمشنر کروڑگیری حیدرآباد کا تعارفی خط میرے پاس تھا ۔ یہ ہی خط جب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کو دیا گیا گرمجوشانہ معانقہ کیا پر بہار مسرت سے اُن کا چہرہ تمتما اٹھا ۔

وصال

اعلیحضرت نے وقتِ آخر آنے پر وضو کروالیا اور ہدایت کی کہ سورۂ یٰسین تلاوت کیجائے جس کی صحتِ قرأت پر آپ کی توجہ عالیہ مبذول تھی ۔ اگر کہیں غلط تلفظ سماعتِ عالیہ میں آرہا ہوتا آپ ٹوک دیتے ۔ اور پھر سورۂ رعد پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور حاضرین کو ہٹا دیا اور فرشتوں کے نزول کو وہ گویا دیکھ رہے ہیں

جب دم واپسین ہو یا اللہ
لب پہ ہو لاالٰہ الا اللہ

اعلیحضرت خود سراپا مثال تھے ۔ اور رہے ہیں ۔ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ کی اللہ کی توقیر و عزت اور اس کی مدد بھی کرو ۔

اوپر کی دونوں مثالوں سے عزت و احترام بھی ظاہر ہو رہا ہے ۔ اور معرکہ آرائی میں اعلائے کلمۃ اللہ بھی رو بہ عمل آیا اور سرافرازیوں کا مشاہدہ ہر کہ و مہ نے دیکھا ہے ۔

کیا اچھا ہوتا کہ ۱۹۰۵ء کے اس مولود کو ، رسال بعد ۱۹۱۲ء میں آپ کی خدمت میں لاکر پابوس کرادیا جاتا اور ۱۹۲۱ء تک آپ کے علمی و روحانی فیضان کی بارش سے آبیاری کا موقعہ پاتا شاید راقم الحروف کی دنیائے مابعد کی جلا ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً ط کی مثل ہوتی ۔ یہ کیسی بات ہے کہ ابنائے ملک نے نہ تو اعلیحضرت کے ترجمۂ قرآن کی تشہیر اس جنوبی خطۂ ہند میں فرمائی اور نہ آپ کے بے پایاں فیضان سے والدین و سرپرستان اور اولیائے طلاب کو آگاہ کیا اور تو اور خود سر ضیاء الدین احمد بھی اعلیحضرت کے شناوری علم سے وقوف تامہ نہ رکھتے تھے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

پروفیسر مختار الدین احمد آرزو
ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ

حضرت مولانا احمد رضا خان، جنہیں اپنے وقت کے مشہور عالم حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی نے "مجدّدِ مائتہ حاضرہ" کا لقب دیا تھا اور جنہیں خواص اب بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں اعلحضرت فاضل بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مورثِ اعلیٰ قندھار (کابل) کے ایک باعظمت قبیلے کے ایک پٹھان سعید اللہ خان تھے جو مغلوں کی حکومت میں لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔ جب وہ لاہور سے دہلی منتقل ہوئے تو وہ شش ہزاری عہدے پر متمکن تھے۔ ان کے بیٹے سعادت یار خان کو حکومتِ مغلیہ نے ایک جنگی مہم سر کرنے کے لئے روہیل کھنڈ بھیجا۔ فتح یابی کے بعد ان کا یہیں انتقال ہوا۔ ان کے تین بیٹوں میں اعظم خاں بریلی آئے اور کچھ دن حکومت کے بعض اہم عہدوں پر فائز رہے پھر انہوں نے ترکِ دنیا کر کے بریلی میں سکونت اختیار کرلی۔ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیلدار انہی اعظم خاں کے بیٹے تھے جن کے پاس دو سو سواروں کی بٹالین تھی۔ اور جنہیں آٹھ گاؤں جاگیر میں ملے تھے۔ ان کے بیٹے رضا علی خاں (متوفی ۱۲۸۲ھ) تھے اپنے وقت کے قطب اور ولی کامل اور روہیل کھنڈ کے بزرگ ترین علماء میں تھے۔ اس خاندان میں انہی کے زمانے میں حکمرانی کا دور ختم ہو کر فقر و درویشی کا رنگ غالب آیا۔ ان کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ) علوم ظاہری و باطنی دونوں سے متصف جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کی تصنیف سرور القلوب فی ذکر مولد المحبوب اس زمانے کی مقبول کتاب

ہیں ہے۔ علامہ محمد حسین علمی جن کے لکھے ہوئے خطبات ہندوستان میں ہر جگہ رائج ہیں۔
اور جمعہ و عیدین میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں انہی کا خطبہ پڑھا جاتا ہے حضرت
ہی کے شاگرد تھے۔ وہ بے مثل مناظر اور بہت کامیاب مصنف بھی تھے۔ اعلیٰحضرت
مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی انہی مولانا نقی علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ ان
کی ولادت بریلی میں دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء۔ ولادت کا سن
ہجری اس آیت کریمہ سے مستخرج ہوتا ہے اولئک کتب فی قلوبھم
الایمان وأیدھم بروح منہ۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ
نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی معلوم نہیں لیکن اس قدر یقین ہے کہ بہت
کم عمری میں ہوئی ہوگی اس لئے کہ چار سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ناظرہ ختم کر
لیا تھا اس سے آپ کی ذہانت و فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بسم اللہ خوانی کا
عجیب واقعہ پیش آیا۔ استاد نے بسم اللہ کے بعد الف با تا ثا جس طرح پڑھایا جاتا
ہے پڑھایا۔ آپ پڑھتے رہے، جب (لام الف) کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے
استاد نے دوبارہ کہا میاں: لام الف۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں حرف تو پڑھ چکے
ہیں ل بھی اور الف بھی، اب یہ دوبارہ کیوں؟ جد امجد مولانا رضا علی خاں موجود تھے۔
بولے: بیٹا۔ استاد کا کہا مانو جو کہتے ہیں پڑھو۔ حضرت نے تعمیل کی اور جد امجد کی
طرف دیکھا۔ وہ فراست سے سمجھ گئے کہ اس بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ
میں ایک مرکب لفظ کیسے آگیا فرمایا بیٹا تمہارا شبہ درست ہے مگر شروع میں تم
نے جو الف پڑھا ہے وہ دراصل ہمزہ ہے اور یہ درحقیقت الف ہے لیکن الف
ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن ہے اس لئے ایک حرف یعنی
لام اوّل میں لاکر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ آپ نے فرمایا تو کوئی ایک حرف ملا

دینا کافی تھا لام کی کیا خصوصیت ہے با، دال، سین بھی اوّل میں لاسکتے تھے جدامجد نے غایت محبّت و جوش میں گلے لگالیا۔ دل سے دعائیں دیں اور پھر اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔

حیات اعلیٰ حضرت مؤلفہ ملک العلماء فاضل مولانا ظفر الدین قادری رضوی میں ان کے بچپن کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ ایک دو ٹکڑے آپ بھی سن لیجئے۔

ایک مولوی صاحب حضرت کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز وہ کسی آیۂ کریمہ میں بار بار ایک لفظ انہیں بتاتے تھے مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا، وہ زبر بتاتے تھے آپ زیر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت کے جدّامجد نے انہیں اپنے پاس بلایا اور کلام پاک کا وہ نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہوگئی تھی۔ اور جس کی مطبع میں تصیح نہیں ہوسکی تھی۔ جدّامجد نے نسخے میں تصیح کردی اور حضرت سے پوچھا جس طرح مولوی صاحب بتاتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ فرمایا میں ارادہ کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ تھا۔

ایک روز مولوی صاحب موصوف حسب معمول بچوّں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آکر سلام کیا۔ مولوی صاحب نے کہا جیتے رہو۔ اس پر حضرت نے فرمایا یہ سلام کا جواب تو نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیئے تھا۔ مولوی صاحب سنکر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

حضرت مولوی صاحب سے سبق پڑھتے تو ایک دو بار دیکھ کر کتاب بند کردیتے استاد جب سبق سنتے تو لفظ بلفظ یاد۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر مولوی صاحب سخت متعجب ہوئے ایک دن کہنے لگے: امن میاں (یہ آپ کا بچپن کا نام ہے) تم آدمی ہو یا فرشتہ، مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔

اس قسم کے متعدد واقعات مولوی صاحب کو بارہا پیش آئے تو ایک روز تنہائی

میں حضرت سے کہنے لگے: صاحبزادے سچ سچ بتادو میں کسی سے کہوں گا نہیں، تم انسان ہو یا جن؟ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں انسان ہی ہوں بس اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہے۔

ابتدائی زندگی کے حالات کم ملتے ہیں۔ تذکرہ علمائے ہند مولفہ رحمٰن علی میں لکھا ہے کہ چار سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم کیا اور چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاوّل شریف میں بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مرزا غلام قادر بیگ اور دوسرے اساتذہ سے پڑھ کر چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول و منقول کی تکمیل اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان سے کی۔ ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحہ فراغ ہوا۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد نے ذہین وطباع دیکھ کر اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام ان کے سپرد فرمایا ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ حاضر ہوکر حضرت سید شاہ آل رسول احمدیؒ کے مرید ہوئے۔ اور خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین طیبین سے شرف و افتخار حاصل فرمایا اور اکابر علمائے دیار مثل حضرت سیّد احمد دحلان مفتی شافعیہ وحضرت عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے حدیث و فقہ و اصول و تفسیر و دیگر علوم کی سند حاصل فرمائی۔ مصنف تذکرہ علمائے ہند ہی راوی ہیں کہ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی کہ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح نے بلا تعارف سابق آپ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے دولت خانے لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرماتے رہے انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین (بیشک اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں) اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اس سند کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ مکتب کے استاد جن کا نام معلوم نہیں اور مرزا غلام قادر بیگ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ والد ماجد سے علوم دینیہ کی تکمیل کی غالباً ۱۲۸۸ھ کا قصّہ ہے کہ آپ کو اپنے بعض اعزہ کے یہاں رام پور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم نواب کلب علی خانصاحب کے یہاں کسی اونچے عہدے پر مامور تھے، ان سے حضرت کا ذکر آیا، نواب صاحب چونکہ علمی ذوق رکھتے تھے اور علماء، شعراء، حکماء اور اہل فن کی خاصی جماعت ان کے دربار سے منسلک تھی اور وہ علمی وادبی گفتگو کرتے رہتے تھے انہیں ایک ایسے لائق طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ جب حضرت نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور وہ بہت لطف و محبّت سے باتیں کرتے رہے دوران گفتگو میں انہوں نے فرمایا:
آپ ماشاء اللہ فقہ ودینیات میں بہت کمال رکھتے ہیں۔ ہمارے یہاں مولانا عبدالحق خیرآبادی مشہور منطقی موجود ہیں بہتر ہو آپ ان سے کچھ منطق کی انتہائی کتابیں قدماء کی تصانیف سے پڑھ لیں۔ اتفاق سے اسی وقت مولانا عبدالحق خیرآبادی تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے تعارف کرایا اور فرمایا باوجود کم سنی کے ان کی سب کتابیں ختم ہیں اور فارغ التحصیل ہیں۔ مولانا خیرآبادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ دنیا میں ڈھائی عالم ہیں۔ ایک مولانا بحرالعلوم دوسرے والد مرحوم اور نصف بندۂ ناچیز۔ وہ ایک کم عمر لڑکے کو کیا عالم مانتے پوچھا منطق میں انتہائی کتاب آپ نے کیا پڑھی ہے؟ جواب دیا۔ قاضی مبارک۔ یہ سن کر دریافت کیا کہ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ جناب کے یہاں قاضی مُبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ خیرآبادی نے گفتگو کا رخ بدل دیا اور پوچھا۔ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟ فرمایا تدریس، تصنیف اور افتاء۔ پوچھا، کس فن میں تصنیف کرتے ہیں۔ اعلحضرت نے

فرمایا، جس مسئلہ دینیہ میں ضرورت دیکھی اور ردّ وہابیہ میں۔ علامہ نے فرمایا آپ بھی ردّ وہابیہ کرتے ہیں۔ ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اس خبط میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ اشارہ تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ کے استاد بھائی دوست اور ساتھی تھے۔ اعلیٰحضرت آزردہ خاطر ہوئے اور بولے: جناب والا سب سے پہلے ردّ وہابیہ حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی حضور کے والد ماجد نے کیا اور تحقیق الفتویٰ لسلب الطغویٰ نام کی کتاب ردّ وہابیہ میں تصنیف کی۔ بہرحال حضرت کے استاد ہونے کا فخر رام پور ہی کے ایک دوسرے عالم ہیئات کے مشہور فاضل مولانا عبدالعلی رامپوری کو حاصل ہوا جن سے حضرت نے شرح چغمینی کے کچھ اسباق لئے آپ نے حضرت سیّد شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی سے علم تکسیر و جعفر حاصل کئے۔ ان کے علاوہ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا، مگر فضل خدا اور ان کی محنت و خداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم و فنون کے جامع بنے کہ پچاس فنون میں آپ نے تصنیفات فرمائیں اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ تلامذہ و معتقدین کا تو کہنا کیا۔ معاصرین بھی جو ان کی شدّت اور صلابت فی الدین کی وجہ سے آپ سے ناخوش تھے۔ یہ کہنے پر مجبور تھے کہ مولانا احمد رضا خان قلم کے بادشاہ ہیں۔ جس مسئلہ پر انہوں نے قلم اٹھالیا موافق کو ضرورت اضافہ نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش۔

تلامذہ کی تعداد خاصی ہے۔ مشاہیر میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں متع اللّٰہ المسلمین بطول بقاء، سلطان المناظرین مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی۔ محدّث اعظم مولانا سیّد محمد کچھوچھوی۔ ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفرالدین قادری۔ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، رئیس الاطباء مولانا سیّد حکیم عزیز غوث بریلوی قابلِ ذکر ہیں۔

اعلیٰحضرت ۱۲ سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔ حرمین شریفین

افریقہ، ہندوستان وغیرہ کے جن اکابر علماء اسلام کو ان سے اجازت وخلافت ہوئی ان میں کچھ مشہور ومعروف حضرات کے اسمائے گرامی الاجازات المتینۃ اور الاستمداد میں درج ہیں۔

ان میں مولانا سید محمد عبدالحیٰ محدّث بلادمغرب، شیخ صالح کمال سابق مفتی حنفیہ، سید اسمٰعیل مکی حافظ کتب خانہ حرم شریف، مولانا مصطفےٰ بن خلیل مکی، سید ابوحسین محمد مرزوقی مکی، شیخ اسد دہّان مکی، شیخ محمد عابد بن حسین مکی مفتی مالکیہ وغیرہ ہم اور ہندوستانی علماء میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی، مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خان متع اللہ المسلمین بطول بقائہ، ملک العلماء، فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری صدر الشریعۃ مولانا امجد علی، صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مرادآبادی، شیخ المحدثین مولانا سیّد دیدار علی شاہ محدث لاہوری، مبلغ اعظم مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی حامیٔ سنت مولانا عبدالسلام جبل پوری، سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، فاضل جلیل مولانا برہان الحق جبل پوری، عالم حقانی مولانا سید فتح علی شاہ کھروٹہ سیداں، حامی شریعت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، ماحیٔ بدعت مولانا ابو محمد امام الدین کوٹلی لوہاراں (پنجاب) قابل ذکر ہیں۔

ان کا ایمان کس قدر پختہ تھا اور سرور کائنات کے ارشادات پر کس درجہ یقین تھا اس کی ایک مثال انہی کی زبان سے سنیئے:۔

بریلی میں مرض طاعون بشدّت تھا، ایک دن میرے مسوڑھوں میں ورم ہوا۔ اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں طبیب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا: یہ وہی ہے یعنی طاعون میں بالکل کلام نہ کر سکتا تھا اس لئے انہیں جواب نہ دے سکا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں۔ نہ مجھے طاعون ہے اور نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا اس لئے کہ میں نے

طاعون زدہ کو دیکھ کر وہ دعا پڑھ لی ہے جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا۔ وہ دعا یہ ہے الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے بتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا الحمد للہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ مجھے ارشاد حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے طاعون کبھی نہ ہوگا۔ آخر شب میں کرب بڑھا تو دل نے درگاہ الٰہی میں عرض کی اللّٰھم صدّق الحبیب وکذّب الطبیب، کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا مسواک اور سیاہ مرچیں۔ میں نے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا۔ جب دونوں چیزیں آئیں اس وقت میں نے مسواک کے سہارے پر تھوڑا تھوڑا منہ کھولا۔ اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا۔ پسی ہوئی مرچیں اس راہ سے داڑھوں تک پہنچائیں تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ ایک کلی خالص خون کی آئی مگر کوئی تکلیف و اذیت محسوس نہ ہوئی اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمد للہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں۔ منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بفضلہ تعالیٰ دفع ہو گیا، دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی طرح ایک بار کثرت مطالعہ کے سبب آنکھوں میں تکلیف شروع ہوئی اس وقت کا ایک بہت ہی سر برآوردہ ڈاکٹر اندرسن نامی تھا اس نے معائنہ کے بعد کہا کہ کثرت کتب بینی سے آنکھوں میں یبوست آگئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھئے۔ ان سے پندرہ دن بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔ اعلیٰحضرت لکھتے ہیں۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے فرمایا۔ مقدمۂ آب نزول ہے۔ بیس برس بعد (خدا ناکردہ)

آنکھوں میں پانی اتر جائے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزول آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہوگیا۔ ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر آیا، کہا چار برس میں (خدانخواستہ) پانی اتر ے گا۔ مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمدللہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں۔ نہ میں نے کتب بینی میں کمی کی نہ کمی کروں گا۔ میں نے یہ اس لئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے۔

البتہ ایک بار اس دعا کے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوب چشم ہو جایا کرتا تھا اور بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر ہوگی کہ رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو آشوب چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی جب سے ابتک آشوب چشم پھر نہیں ہوا۔ افسوس اس لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، کھجلی کہ اس سے امراض جلدیہ جذام وغیرہ کا انسداد ہو جاتا ہے اور آشوب چشم کہ نابینائی کو دفع کرتا ہے۔

اعلیٰحضرت صوم و صلوٰۃ اور طہارت وغیرہ میں بہت احتیاط فرماتے تھے وضو میں بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کا پورا اہتمام کرتے تھے، کوشش بلیغ فرماتے تھے کہ ہر جگہ سے سیلان آب ہو جائے اور بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لئے پانی کے دو لوٹے ان کے لئے رکھے جاتے تھے۔ بریلی میں جب ٹیوب ویل کا رواج ہوا تو اپنے یہاں فوراً لگوایا۔ لگوا کر بہت خوش ہوئے فرمایا اب کنواں میں چڑیوں کی بیٹ یا کسی نجاست کے گرنے کا اہتمام نہیں رہا۔ جو کام الٹے ہاتھ

کے کرنے کے ہیں ان کے علاوہ وہ ہر کام کی ابتداء سیدھے ہاتھ سے کرتے. عمامہ کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا. عمامے کے پیچ سیدھی جانب ہوتے. دروازہ مسجد کے زینے پر قدم رکھتے تو سیدھا، صحن مسجد میں ایک صف بچھی رہتی تھی. اس پر قدم پہنچتا تو سیدھا ہر صف پر تقدیم سیدھے قدم سے فرماتے یہاں تک کہ محراب میں مصلیٰ پر قدم سیدھا ہی پہنچتا. اگر کسی کو کوئی چیز دینی ہوتی تو سیدھے ہاتھ میں دیتے اور بسم اللہ کے اعداد ۷۸۶، عام طور سے جب لوگ لکھتے ہیں تو ابتدا الٹی طرف سے کرتے ہیں یعنی پہلے، لکھتے ہیں ۷ پھر ۸ پھر ۶. اعلحضرت سیدھی طرف سے ابتدا کرتے تھے پہلے ۶ پھر ۸ پھر آخر میں ۷ تحریر فرماتے۔

تمام عمر جماعت سے مسجد میں آکر نماز پڑھی اور باوجودکہ گرم مزاج کے تھے مگر کیسی ہی گرمی کیوں نہ ہو ہمیشہ عمامہ اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھتے خصوصًا فرض نمازیں تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے میں ادا نہیں کیں ایک بار عصر کی نماز پڑھکر آپ مکان تشریف لے گئے. کچھ دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ مسجد آکر نماز پڑھ رہے ہیں. ایک صاحب جو خود حضرت کے پیچھے نماز پڑھ چکے تھے بہت متحیر ہوئے کہ بعد عصر نوافل نہیں اور اگر کسی وجہ سے نماز نہیں ہوئی تھی تو حضرت کا حافظہ ایسا نہیں تھا کہ بھول جاتے اور مطلع نہ فرماتے. جب حضرت نے سلام پھیرا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور یہ نماز کیسی ؟ فرمایا قعدۂ اخیر میں بعد تشہد سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا، چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے. اس لئے میں نے آپ سے کچھ نہیں کہا اور گھر جاکر انگرکھے کا بند درست کراکے اپنی نماز دوبارہ پڑھ لی۔

ایک مرتبہ آنکھوں میں کچھ تکلیف ہوگئی، متعدد بار ایسا اتفاق ہوا کہ کسی کو نماز کے بعد بلاکر پوچھتے کہ دیکھو تو آنکھ کے حلقے سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ

وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔

یہاں آپ کی بعض عادات و خصلات کا ذکر ضروری ہے۔ ہفتہ میں دوبار جمعہ اور سہ شنبہ کو لباس تبدیل فرماتے، ہاں اگر پنجشنبہ یا شنبہ کو یوم عیدین یا یوم النبی آ کر پڑے تو دونوں دن لباس تبدیل فرماتے۔ ان دونوں تقریبوں کے علاوہ سوا یوم معین کے کسی اور وجہ سے لباس تبدیل نہ کرتے۔ ایک مرتبہ مولانا وصی احمد محدث صورتی کے عرس سے پیلی بھیت سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی۔ اعلیحضرت نے اس وقت اسٹیشن پر آ کر وظیفے کی صندوقچی اپنے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی۔ کسی نے جلدی سے ویٹنگ روم سے اس زمانے کی لمبی آرام کرسی لا کر بچھا دی۔ دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے جتنی دیر تک وظیفہ پڑھتے رہے آرام کرسی کے تکیے سے پشت مبارک نہ لگائی۔ حضرت اپنا وقت کبھی بیکار نہیں فرماتے تھے، ہمہ وقت تالیف و تصنیف و فتاویٰ نویسی کا مشغلہ جاری رہتا، اسی وجہ سے اندر کے کمرے میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ باتوں میں کام نہیں ہوگا۔ یا بہت ہی کم ہوگا۔ صرف پنجگانہ نماز کے لئے باہر تشریف لاتے تاکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں یا کسی مہمان سے ملنے کے لئے۔ جمعہ کو بعد نماز پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور چاروں طرف کرسیاں رکھ دی جاتیں۔ یہی وقت عام لوگوں کی ملاقات کا تھا۔ جب لوگ مسئلہ مسائل دریافت کرتے یا آپ خطوط کے جوابات دیتے یا استفتا کے جوابات لکھواتے۔ اس وقت علوم و فیوض و برکات کے دریا جاری ہوتے اور حضار آستانہ مستفیض ہوا کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے اور وہیں تصنیف و تالیف و کتب بینی اور اوراد و اشغال میں مصروف رہتے۔

آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوال رسول کی

ترجمانی فرما رہے ہیں اور اس درمیان کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدہ خاطر ہوتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانوں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے۔ میلاد شریف کی مجلسوں میں شروع سے آخر تک ادبًا دوزانو بیٹھا کرتے اور اسی طرح دو زانو بیٹھ کر وعظ فرماتے۔ چار چار پانچ پانچ گھنٹے منبر پر تقریر کرنا ہوتا جب بھی زانو نہ بدلتے۔ کبھی ٹھٹھا نہ لگاتے۔ جمائی آتے ہی انگلی دانتوں میں دبا لیتے۔ قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ پھیلاتے۔ بغیر صوف پڑی دوات سے لکھنا پسند نہ کرتے۔ یونہی لوہے کی نب سے اجتناب کرتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال فرماتے۔ آخر عمر میں پان کھانا چھوڑ دیا تھا ورنہ پہلے کثرت سے پان استعمال کرتے تھے مگر بغیر تمباکو کے۔ بوقت وعظ پان مطلق نہ کھاتے۔ ہاں ایک چھوٹی سی صراحی شیشے کی پاس رکھی ہوئی ہوتی اس سے خشکی رفع کرنے کے لئے غرارہ کر لیا کرتے۔

اعلیٰحضرت ضعیف الجثہ اور نہایت قلیل الغذا تھے۔ ان کی عام غذا چکی کے پسے ہوئے آٹے کی روٹی اور بکری کا قورمہ تھا۔ آخر عمر میں ان کی غذا اور بھی کم رہ گئی تھی ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا۔ کھانے پینے کے معاملے میں اس قدر سادہ مزاج تھے کہ ایک بار بیگم صاحبہ نے ان کی علمی مصروفیت دیکھ کر جہاں وہ کاغذات اور کتابیں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے دسترخوان بچھا کر قورمہ کا پیالہ اور چپاتیاں دسترخوان کے ایک گوشے میں لپیٹ دیں کہ ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔ کچھ دیر بعد وہ دیکھنے تشریف لائیں کہ حضرت کھانا تناول فرما چکے یا نہیں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں کہ سالن آپ نے نوش فرما لیا ہے لیکن چپاتیاں دسترخوان میں اسی طرح لپٹی رکھی ہوئی ہیں، پوچھنے پر آپ نے فرمایا۔ چپاتیاں تو میں نے دیکھی نہیں، سمجھا ابھی نہیں پکی ہیں۔ میں نے اطمینان سے بوٹیاں کھا لیں اور شوربا پی لیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ حیات اعلیٰحضرت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے زمانے میں افطار کے بعد پان نوش

فرماتے۔ سحری میں صرف ایک پیالے میں فیرنی اور ایک پیالے میں چٹنی آیا کرتی تھی وہی نوش فرمایا کرتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ حضرت فرینی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا۔ نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنّت ہے۔

آپ نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔ آپ کے آبا و اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو گرد و پیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا۔ انہیں کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور دوسرے اخراجات کے لئے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی۔ چونکہ داد و دہش کے عادی تھے اس لئے کبھی ایسا ہوا ہے کہ قلمدان میں ۲/۱ ۳ آنہ سے زائد موجود نہیں رہے لیکن انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔

ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں، الحمدللہ میں نے مال من حیث ہو مال سے کبھی محبت نہ رکھی۔ صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ہو اولاد سے بھی محبت نہیں اس سبب سے کہ صلۂ رحم عمل نیک ہے۔ اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین صاحب قادری کو ایک ذاتی خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ "خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات و احادیث دربارۂ ذم دنیا و منع التفات بہ تمول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہ تعالےٰ آپ کے پیش نظر ہیں۔ فلاں کو دستِ غیب ہے۔ فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے۔ یہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہ تعالےٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنتہ ہے۔ ان کے پاس علم نفع یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے کس پر نعمت حق بیشتر ہے بشرط ایمان وعدہ علو و غلبہ باعتبار دین ہے۔ نہ یہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق ہے۔ دنیا سجن مومن ہے سجن

میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں۔ دنیا فاحشہ ہے اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور طارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔"

تحریک خلافت کے زمانے میں گاندھی جی پورے ملک کا طوفانی دورہ کر رہے تھے۔ مسلمان عوام کے ساتھ علماء کو بھی اپنا ہم خیال بنا رہے تھے۔ اور تحریک خلافت کی طرف انہیں متوجہ کر رہے تھے۔ حضرت مولانا قیام الدین وعبدالباری فرنگی محل تحریک سے متاثر ہو چکے تھے اور فرنگی محل میں گاندھی جی، علی برادران اور دوسرے سیاسی اکابر آتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کو خیال ہوا کہ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں صاحب سے مل کر انہیں بھی اس طرف متوجہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک بڑے حلقے پر ان کا اثر ہے۔ اس طرح بہت سے مسلمان تحریک خلافت کا ساتھ دے سکیں گے ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا فرمایا، گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے۔ یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے۔ اور دنیاوی معاملہ میں کیا حصہ لوں گا جبکہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی کوئی غرض نہیں رکھا۔

آپ کی صاف بات منہ پر دیتی گوئی کا ایک واقعہ سنئے۔ حضرت ایک بار مولانا فضل رسول بدایونی قدس سرہ العزیز کے عرس میں مارہرہ تشریف لے گئے کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آتروی کو میلاد شریف پڑھنے بٹھا دیا۔ انہوں نے اثنائے تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں فرشتے روح ڈالیں گے۔ چونکہ اس میں حیات انبیاء علیہم السلام کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا اسن کر حضرت کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ انہوں نے مولانا عبدالقادر سے فرمایا آپ اجازت دیں تو میں اُن کو منبر پر سے اتار دوں۔ مولانا عبدالقادر نے مقرر کو بیان سے روک دیا اور

مولانا عبدالغفور صاحب سے فرمایا کہ مولانا ایسے لوگوں کو مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے کو نہ بٹھایا کیجئے جن کے سنت بیان کرنے والے کے لئے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

آپ کی ذات الحب للہ والبغض للہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ و رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے، کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی بلکہ حلم سے کام لیا لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ اعلحضرت کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنت کے انوار سے منور ہے۔ آپ نے بعض مردہ سنتوں کو زندہ کیا انہی میں نماز جمعہ کی اذان ثانی ہے جس کو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق خطیب کے سامنے دروازہ مسجد پر دلوانے کا رواج قائم کیا۔

آج ہندوستان، پاکستان، افریقہ، افغانستان، کاشغر اور دوسرے ممالک میں جہاں جہاں جمعہ کی اذان ثانی دروازہ مسجد پر دی جا رہی ہے وہ آپ ہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اعلحضرت اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور حضور اقدس تبلیغ و ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں اسی طرح اس پر یقین رکھتے تھے کہ علماء کے ذمہ دو فرض ہیں۔ ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا دوسرے مسلمانوں کو ان کی دینی مسائل سے واقف کرنا۔ اس لئے جہاں کسی کو خلاف شرع کرتے ہوئے دیکھتے فرض تبلیغ بجالاتے اور اس کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتے۔

مصنف حیات اعلحضرت لکھتے ہیں: آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھے۔ نہ کسی کی تعریف سے مطلب نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا۔ حدیث شریف

من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان کے مصداق تھے۔ آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لئے، مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔ کسی کو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لئے اور کسی کو منع کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔ اگر وہ بدمذہبوں اور بے دینوں پر اشد تھے تو دینداروں اور علماء اہلسنّت کے لئے "رحماء بینہم" کی زندہ تصویر بھی تھے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت عزّت کرتے تھے۔ اپنے قصیدہ امال الابرار وآلام الاشرار میں علمائے اہلسنّت کی تعریف فرمائی ہے۔

اذا احلوا بھمصرت الایاوی

اذارا حوا فصار المعربید

یہ علمائے کرام ایسے ہیں جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے ویرانہ پر رونق شہر ہو جاتا ہے اور وہ جب روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویرانہ بن جاتا ہے۔ مصنف حیات اعلیٰحضرت لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یہ محض مبالغۂ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا نہیں بالکل واقعہ ہے۔ حضرت مولانا عبدالقادر کی یہی شان تھی۔ جب تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جاتی تھی۔ عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی تھی اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودیکہ سب لوگ موجود ہوتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔

مسئلہ عینیت وغیریت صفات باری تعالیٰ میں دونوں کا اختلاف تھا مولانا عبدالقادر فرماتے تھے کہ صوفیہ کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے اور جب اس فرق کے ماننے میں تامل فرماتے تھے۔ اس موضوع پر تفصیلی اور طویل گفتگو ہوئی۔ حضرت نے آخر میں فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کئے لیتا ہوں کہ صوفیہ کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے اس لئے کہ

میرے مرشدان عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات مانتے ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں اب تک نہیں آیا ہے لیکن چونکہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں اس لئے اپنے مرشدان عظام کے ارشاد پر سر تسلیم خم کئے دیتا ہوں۔

حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف فرماتے تھے کہ جب میں بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے۔ حسب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت شاہزادہ صاحب! یہ انگوٹھی اور چھلّے مجھے دے دیجئے۔ میں نے اتار کر دے دیئے اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا: ابا بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا جس میں انگوٹھی اور چھلے تھے اور والا نامہ میں مذکور تھا "شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیاء آپ کی ہیں"۔ یہ تھا اعلیٰحضرت کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اکابر و مشائخ کی تعظیم وتوقیر۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت وتعظیم سے ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت واضافت ہے اس کی تعظیم وتوقیر کرنی اور ان میں سادات کرام جزو رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر وتعظیم ہیں اس پر پورا عمل کرنیوالا بقول حضرت ملک العلماء، اعلیٰ حضرت کسی سیّد صاحب کو اس کی ذاتی حیثیت ولیاقت سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظ فرماتے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو ہیں۔ پھر اس اعتقاد ونظریہ کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم وتوقیر کی جائے کم ہے۔

سادات سے محبّت اور ان کے احترام کی بہت سی مثالیں حیات اعلیٰ حضرت میں درج ہیں۔ حضرت اپنے ملفوظات میں اس سوال کے جواب میں کہ کیا

سادات کے بچے کو استاد تادیباً سزا دے سکتا ہے فرماتے ہیں، قاضی جو حدود اللہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے۔ بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت بلکہ عشق مشہور زمانہ ہے یہ سطور پڑھیئے۔

"خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ ہو جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت سے اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ والحمدللہ

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ کبھی بعض اصحاب ص یا صلعم اور انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ اختصار ع، م کا لکھنا انہیں سخت ناپسند تھا بلکہ وہ اسے کفر سمجھتے تھے ایک خط میں ملک العلماء کو لکھتے ہیں:۔

تاتار خانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ درر میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ "انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ علیہ السلام کا اختصار ع لکھنا کفر ہے کہ تخفیفِ شان نبوت ہے"۔ اب کبھی بانکی پور جانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔

حضرت کا حسن ادب بارگاہ رسالت میں اس قدر تھا کہ ایک بار حضرت مولانا سیّد شاہ اسمٰعیل حسن میاں نے آپ سے سیزدہ درود شریف نقل کرایا حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ حسین اور زاہد بھی تھا حضرت نے نقل میں یہ دو لفظ تحریر نہ فرمائے اور فرمایا کہ حسین صیغہ تصغیر ہے اور زاہد اسے کہتے ہیں جس کے پاس

کچھ نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ان الفاظ کا لکھنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن پھر میاں کے حکم کا احترام کرتے ہوئے نہایت لطافت کے ساتھ حسین کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ یہی صیغۂ تصغیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان ظاہر کر رہا ہے۔ اب درود شریف کی عبارت یوں ہوگی۔ اللّٰھم صل وسلم وبارک علیٰ سیدنا ومولانا محمدن المصطفیٰ رفیع الشان ہ المرتضیٰ علی الشان ہ الذی رجلیل من امتہ خیر من رجال السابقین ہ وحسین من ذریتہ احسن من کذا د حسنًا من السابقین ہ

سرور کائنات سے محبت کا ایک اور ثبوت دیکھئے۔ مولانا عرفان علی بیسلپوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا اپنی خواہش تو یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔

لیکن قدرت کو ابھی ان سے کچھ اور کام لینے تھے وہ چار سال اور زندہ رہے اور اس دوران میں برابر علمی کام کرتے رہے اور دین کی خدمت بجالاتے رہے۔ آخر جمعہ مبارکہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو یہ نامور مصنف اپنے زمانہ کا جلیل القدر عالم دین کا خادم، اور اپنے رسول کا شیدائی سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد سنتا ہوا اور کلمۂ طیبہ ورد کرتا ہوا اور سفر کی دعائیں پڑھتا ہوا اس جہاں سے رخصت ہوا۔

کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۸۴ء
○ کراچی

کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۸۴ء
① اسلام آباد

مرتبین

مجید اللہ قادری

سید ریاست علی قادری

کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۸۴ء
② اسلام آباد

ناشر:

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی

روداد

۱۔ کانفرنس ۸۴/۱۹۸۵ء منعقدہ کراچی

۲۔ کانفرنس ۸۴/۱۹۸۵ء منعقدہ اسلام آباد

۳۔ کانفرنس ۸۴/۱۹۸۵ء منعقدہ اسلام آباد

زیرِ اہتمام

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا۔ کراچی

پروفیسر مجید اللہ قادری

امام احمد رضا کانفرنس

منعقدہ کراچی سنہ ۱۹۸۴ء

مورخہ ۲۵ نومبر ۸۴ء بروز اتوار ۴ بجے سہ پہر کراچی کے مشہور ہوٹل "تاج محل ہوٹل" میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی جانب سے امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی۔

پچھلے برسوں کی طرح اس مرتبہ بھی تاج محل ہوٹل کا تاجی ہال مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ علماء و مشائخ، دانشور، قانون داں، صحافی، اساتذہ اور جدید تعلیمیافتہ طبقہ غرض ہر طبقے کی نمائندگی ہو رہی تھی۔

کانفرنس کے پہلے اجلاس کی صدارت کراچی پورٹ ٹرسٹ کے چیرمین جناب وئیر ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد صاحب نے کی۔ اسٹیج پر ایم۔ آئی ارشد صاحب کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا تقدس علی خاں صاحب مدظلہ، جناب سید الطاف علی بریلوی، جناب حضرت علامہ شمس بریلوی اور ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے ڈائریکٹر جناب سید ریاست علی قادری بھی بیٹھے تھے۔ سامنے اور دائیں بائیں قطاروں میں معززین شہر، مقالہ نگار حضرات، علمائے کرام مشائخ عظام، دانشور اور اساتذہ تشریف فرما تھے۔ اندرون سندھ کی مشہور و معروف مقتدر ہستیاں بھی اس کانفرنس میں موجود تھیں۔

جلسہ کا آغاز بعد نماز عصر ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب رضوان احمد صدیقی صاحب نے انجام دیئے۔ سب سے پہلے جناب قاری ظفر احمد صاحب نے تلاوت قرآن مجید سے جلسہ کا آغاز کیا۔ بعدہٗ جناب خالد محمود صاحب نے امام احمد رضا کی مشہور نعت "بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے"، پڑھی جس

کے ایک ایک شعر پر کانفرنس کے شرکاء نے زبردست داد دی۔ اس موقع پر تاجی ہال کی فضا بڑی پرسکون اور روحانیت سے لبریز تھی۔ نعت شریف کے بعد ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے ڈائریکٹر جناب سید ریاست علی قادری نے خطبۂ افتتاحیہ پیش کیا جو نہایت جامع اور دلنشین تھا۔ سید صاحب کا یہ خطبہ انتہائی فکر انگیز اور حاضرین محفل کی امنگوں کا ترجمان تھا۔ اس خطبہ میں امام احمد رضا کی عظیم عبقری شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے سید صاحب نے عقیدت مندانِ امام احمد رضا سے درخواست کی کہ وہ امام احمد رضا کی سائنسی دینی، علمی روحانی خدمات کو منظر عام پر لانے میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا سے تعاون کریں۔ امام احمد رضا کی غیر مطبوعہ کتب کو شائع کریں تاکہ دنیائے علم و فن امام احمد رضا کے نظریات سے مستفید ہو سکے۔

جناب سید ریاست علی قادری نے ادارہ کی جانب سے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ امام احمد رضا کی تصنیف و تالیف اس قابل ہیں کہ اگر ان کو سلیقے سے منظر عام پر لایا گیا تو دنیا کو اس علمی خزانے سے بہت مدد مل سکتی ہے۔

سید صاحب کے افتتاحیہ کے بعد ملک کی نامور شخصیت پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب جامعہ کراچی کے لائق استاد نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے امام احمد رضا کی سیاسی بصیرت کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب کے مقالہ ختم ہوتے ہی اذان مغرب ہوئی اور تمام حاضرین کانفرنس نے تاج محل ہوٹل کی خوبصورت مسجد میں نماز مغرب ادا کی۔

مغرب کی نماز کے بعد امام احمد رضا کانفرنس کی دوسری نشست ہوئی۔ جس کی صدارت پیر طریقت حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین قادری الگیلانی مدظلہ

نے ادا کرنا تھی۔ دوسری نشست کا آغاز نعت شریف سے ہوا۔ جناب حافظ سلیم جہانگیر ایک بہت ہی خوش الحان نعت خواں ہیں آپ نے امام احمد رضا کی یہ نعت " ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرہ نور فزا کی قسم" پڑھی جس سے مجمع جھوم جھوم اٹھا اور ہر طرف سے واہ واہ، سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوئے۔ نعت شریف کے بعد علمی، ادبی، دینی اور سماجی حلقوں کی جانی پہچانی اور معروف شخصیت یعنی جناب مولانا حسن مثنیٰ ندوی صاحب نے اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا کی شخصیت کو انتہائی پُر خلوص انداز میں خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا میرے لئے یہ انتہائی مسرت اور فخر کا مقام ہے کہ میں اس محفل میں اپنے خیالات کا اظہار کروں جس میں ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام احمد رضا کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ امام احمد رضا جنکی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسول میں بسر ہوا۔ جناب مولانا حسن مثنیٰ ندوی کے بعد پاکستان کی ایک اور مشہور و معروف اور علم دوست ہستی پروفیسر ڈاکٹر اسلم فرخی رجسٹرار کراچی یونیورسٹی نے امام احمد رضا پر ایک منقبت پڑھی۔ منقبت کے ایک ایک شعر پر حاضرین نے انہیں داد تحسین پیش کی۔ منقبت کے ایک ایک شعر سے ان کی امام احمد رضا سے عقیدت اور احترام کا اندازہ ہوتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب نے ابھی اپنی منقبت ختم ہی کی تھی کہ تاج ہال میں اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں پیر سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی مدظلہٗ کی آمد کا اعلان کیا گیا۔ پیر صاحب نے کرسی صدارت سنبھالی اور پھر آپ کے مسند صدارت پر بیٹھنے کے بعد ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے ڈائریکٹر جناب سید ریاست علی قادری نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ سید صاحب نے پیر سیدنا طاہر علاؤالدین قادری الگیلانی مدظلہٗ کی شان میں اپنے نیک خیالات

کا اظہار کیا۔ پیر صاحب جس زمانہ میں بریلی شریف تشریف لائے تھے اس وقت ان کی عمر شریف تقریباً چوبیس سال تھی۔ آپ کا استقبال امام اہلسنت مجدد دین و ملت کے جانشین اور خلف اصغر حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ نے برہنہ پا ہو کر کیا۔ سید صاحب کے یہ جملے سنکر حاضرین مجلس پر پیر صاحب کی روحانی اور پر وقار شخصیت کا بہت اثر ہوا۔ سید صاحب نے خطبۂ استقبالیہ میں امام احمد رضا کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے حاضرین کو یاد دلایا کہ امام احمد رضا نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن کیا جسکو برابر بجھانے کی مذموم کوششیں کیجا رہی تھیں۔ امام احمد رضا نے مسلمانوں کو مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسوقت اہل پاکستان بلکہ مسلمانان عالم کو امام احمد رضا کے حکیمانہ افکار و خیالات کی سخت ضرورت ہے انہوں نے امام احمد رضا کے موافقین و مخالفین دونوں سے دردمندانہ اپیل کی کہ وہ امام احمد رضا کے افکار و خیالات کا بنظر غائر مطالعہ کریں اور اس عبقری کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں تو دین و دنیا میں سرخروئی حاصل ہوگی۔ خطبہ استقبالیہ کے بعد حاجی محمد زبیر صاحب نے امام احمد رضا کی نعت "زہے عزت و اعتلائے محمدؐ" سنائی جس سے مجمع پر ایک روحانی کیف طاری ہوگیا۔ نعت شریف کے بعد بین القوامی شہرت کے مالک پاکستان کے ابھرتے ہوئے ایک عظیم ہونہار محقق اور عالم دین پروفیسر محمد طاہر القادری نے امام احمد رضا کے ترجمہ القرآن کنز الایمان پر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ انہوں نے بڑے محققانہ اور فاضلانہ انداز میں امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن مجید پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اس کو تمام تراجم پر فوقیت دی۔ پروفیسر صاحب کے دلائل سے لوگ اتنا متاثر ہوئے کہ ہر طرف سے انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔ جناب پروفیسر طاہر القادری صاحب کی تقریر کے بعد

جناب ایم. آئی ارشد صاحب نے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی نئی مطبوعات کا افتتاح کیا۔ ایم. آئی ارشد صاحب نے کانفرنس میں اعلان فرمایا کہ ادارہ کی مطبوعات کو کراچی پورٹ ٹرسٹ سَو سَو کی تعداد میں خرید کر اس کارِ خیر میں حصّہ لے گا۔ آپ کے اس اعلان سے تمام حاضرین کانفرنس نے سبحان اللہ سبحان اللہ کے نعروں سے آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ آخر میں جناب ایم. آئی ارشد صاحب نے اختتامی تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے اس قسم کی کانفرنسیں منعقد کر کے ایک مثالی کام سرانجام دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسی کانفرنسیں وقتاً فوقتاً منعقد ہونا چاہئیں تاکہ ہمارے نوجوان اپنے اسلاف کے کارناموں سے مستفید ہوتے رہیں۔

جناب ایم. آئی ارشد صاحب کی تقریر کے بعد جناب حنیف تلّو صاحب نے بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ درود وسلام پڑھا، اعلحضرت امام احمد رضا کا یہ سلام۔ مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

تمام حاضرین مجلس کے دل کی دھڑکنوں کی ترجمانی کر رہا تھا۔ بعدہٗ حضرت پیرِ طریقت سیدنا طاہر علاؤالدین قادری الگیلانی مدظلہ نے دعا فرمائی اور ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے اراکین کو اس کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر دلی مبارکباد پیش کی۔ دعا کے بعد تمام حاضرین مجلس کو چائے پیش کی گئی اور یوں یہ عظیم الشان کانفرنس رات ۹ بجے اپنے اختتام کو پہنچی۔

پروفیسر مجید اللہ قادری

روداد

امام احمد رضا کانفرنس

منعقدہ اسلام آباد ۸۵-۱۹۸۴ء بمقام اسلام آباد ہوٹل

مورخہ ۲۳ جنوری ۱۹۸۵ء پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد کے مشہور ہوٹل "اسلام آباد ہوٹل" میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کی جانب سے اعلیحضرت امام احمد رضاؒ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔

اسلام آباد میں یہ پہلا موقع تھا کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور اتنی عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام آباد ہوٹل میں تقریباً چھ سو اہلِ علم و دانش اور اسکالروں نے حصہ لیا۔ اسلام آباد ہوٹل میں چونکہ زیادہ سے زیادہ چار سو مہمانوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے لیکن اسلام آباد ہوٹل کی انتظامیہ نے بروقت اقدام کر کے چھ سو مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام انتہائی پھرتی اور محنت سے کیا۔

کانفرنس کی صدارت آزاد جموں و کشمیر کے سابق صدر ریٹائرڈ میجر جنرل عبدالرحمٰن خاں نے کی۔ کانفرنس میں اسلام آباد میں مقیم نامور علمی، مذہبی، ادبی اور سیاسی شخصیتوں نے حصہ لیا۔ اسٹیج پر میجر جنرل عبدالرحمٰن خاں کے ساتھ ہی ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کے ڈائریکٹر مخلص جناب سید ریاست علی قادری بھی تشریف فرما تھے۔ اور اُن کے برابر جناب سید آلِ احمد رضوی تھے

جو اسٹیج سکریٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

جلسہ کی کارروائی بعد نمازِ عصر شروع ہوئی۔ سب سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت ہوئی جس سے جلسہ گاہ پر ایک روحانی کیفیت طاری ہو گئی۔ بعدہٗ اعلیٰحضرت امام احمد رضاؒ کی لکھی ہوئی مشہورِ زمانہ نعت جس کا مطلع ہے:-

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبرئیل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

شاعرِ خوش الحان اور عاشقِ اعلیٰحضرت امام احمد رضاؒ جناب ڈاکٹر بشیر ناظم صاحب نے کیف و مستی کے عالم میں اس طرح پڑھی کہ ہال واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔

اس نعت کے ایک ایک شعر پر شرکا نے دل کھول کر داد دی۔ اس کے بعد ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کے ڈائرکٹر جناب سید ریاست علی قادری صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا جو نہایت جامع و مانع تھا۔ اس خطبہ میں سید صاحب نے امام احمد رضاؒ پر کام کی رفتار کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے نہایت ہی سادہ مگر پُر اثر پیرائے میں امام احمد رضاؒ کے دینی و ملّی کارناموں پر تحقیقی انداز میں گفتگو کرتے ہوئے موافقین و مخالفین دونوں پر زور دیا کہ وہ امام احمد رضاؒ کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔ انہوں نے اپنے خطبہ میں حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا کہ امام احمد رضاؒ کے دینی کارناموں کو منظرِ عام پر لایا جائے اور حکومتی سطح پر اُن کے پیغام کو عام کر کے مسلمانوں میں پھیلا دیا جائے تاکہ مسلمانانِ پاکستان خصوصاً اور عالمِ اسلام عموماً اُس سے مستفیض ہو سکے۔

جناب سید ریاست علی قادری کے بعد ملک کی نامور اور علمی و ادبی میدان کی جانی پہچانی شخصیت ڈاکٹر مطلوب حسین وزارتِ مذہبی امور اسلام آباد نے اپنے بصیرت افروز مقالہ میں امام احمد رضاؒ کی سیاسی بصیرت کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ امام احمد رضاؒ ہی تھے جنہوں نے ہندوؤں اور انگریزوں سے دو علیحدہ علیحدہ محاذوں پر جنگ لڑی۔ اور وہ اس جنگ میں ٹیپو سلطان شہید کی طرح تنہا تھے۔ ہزار مخالفت کے باوجود وہ کسی طرح ہندوؤں سے اتحاد کے قائل نہ تھے۔ انہوں نے ایسے وقت میں ہندوؤں سے مخالفت مول لی جب برصغیر کے بڑے بڑے مسلم رہنما بھی ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ حتیٰ کہ علامہ اقبال اور قائداعظم بھی اُس وقت ہندو مسلم اتحاد کے لیئے کوشاں تھے۔

امام احمد رضاؒ کی بصیرت کو سلام کرتے ہوئے ڈاکٹر مطلوب حسین صاحب نے اُن کو تحریکِ آزادی ہند کا ناقابلِ فراموش شہسوار قرار دیا۔

ڈاکٹر مطلوب حسین صاحب کے بعد ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کے ڈائریکٹر اور ملک کی معروف شخصیت پروفیسر کرم حیدری صاحب نے امام احمد رضاؒ کی شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ امام احمد رضاؒ کے دینی و مسلکی کارناموں کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے انہوں نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی جان قرار دیا جو امام احمد رضاؒ کا مسلک تھا۔

سید آلِ احمد رضوی صاحب نے اپنے مقالہ میں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں جن علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے گراں بہا خدمات انجام دیں اُن میں امام احمد رضاؒ کو سرِ فہرست رکھتے ہوئے زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ امام احمد رضاؒ نے اپنی شاعری کے ذریعہ

برصغیر میں لوگوں کے سینوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جوت جگائی۔

جناب مخدوم زادہ قاضی محمد اسرار الحق حقانی صاحب نے کہا کہ امام احمد رضاؒ کی علمی و دینی حیثیت مسلّم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امام احمد رضاؒ نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے عظیم رہنما تھے بلکہ علمائے حرمین شریفین نے بھی آپؒ کو امام المحدثین اور سرتاج الفقہاء کے القابات سے نوازتے ہوئے انہیں اس صدی کا مجدّد کہا ہے۔

جناب سبطین صاحب نے اپنے مقالے میں امام احمد رضاؒ کو علوم و فنون کا ایک بحرِ بیکراں کہہ کر زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔

خواجہ ابو الخیر محمد عبد اللہ جان صاحب نقشبندی مجدّدی نے امام احمد رضاؒ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں ایک عبقری اور مجدّد تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امام احمد رضاؒ محبّتِ رسولؐ اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نشے میں زندگی بھر سرشار رہے۔ (وقفہ برائے نمازِ مغرب)

بعد نمازِ مغرب جلسہ کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ اسلامی نظریاتی کونسل آزاد کشمیر کے رکن جناب کفایت حسین نقوی صاحب نے اپنی تقریر میں امام احمد رضاؒ کی اہلِ بیت اور صحابۂ کرام سے والہانہ محبّت کا بڑی خوبی سے نقشہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہم دنیا میں سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں۔ اُن کی تقریر بڑی جذباتی اور پُر اثر تھی۔

پیر فاروق صاحب مدظلہ پیر آف مہڑہ شریف نے امام احمد رضاؒ کے علمی اور دینی کارناموں پر بڑے محققانہ انداز میں تقریر کی جس سے حاضرینِ جلسہ بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے جلسے میں اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اپنے

دارالعلوم میں امام احمد رضاؒ پر تحقیق کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم کریں گے تاکہ امام احمد رضاؒ پر تحقیقی کام کیا جا سکے۔ اس اعلان سے حاضرینِ جلسہ نے اُن کے اس جذبہ کو سراہتے ہوئے انہیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔

حضرت مولانا صاحبزادہ فیض الحسن فیضی مدظلہٗ نے اپنی تقریر میں امام احمد رضاؒ کے ترجمۂ قرآنِ مجید المعروف کنزالایمان کی خوبیوں پر بڑی بصیرت افروز تقریر کی۔ اُن کی گرجدار اور جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز نے مجمع پر ایک روحانی کیفیت پیدا کر دی۔ انہوں نے امام احمد رضاؒ کے علمی و دینی کارناموں پر سیر حاصل تقریر کی۔

اس کے بعد کینیڈا سے آئے ہوئے ایک عالمِ دین نے جو اس جلسہ گاہ میں موجود تھے، صاحبِ صدر کی اجازت سے امام احمد رضاؒ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ صاحبِ صدر کی اجازت کے بعد انہوں نے امام احمد رضاؒ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اُن کی تقریر انتہائی بصیرت افروز اور جامع تھی۔ افسوس کہ میں اس وقت اُن کا نام نامی بھول رہا ہوں۔

آخر میں آزاد جموں وکشمیر کے سابق صدر ریٹائرڈ میجر جنرل عبدالرحمان خان نے صدارتی خطبہ پڑھا۔ آپ نے کیا خوب کہا کہ "میں نے اس روحانی محفل میں انوارِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھر لیا ہے۔ آج کی اس مقدس محفل میں امام احمد رضاؒ کے جتنے بھی صفات بیان کیے گئے اُن میں سب سے افضل و اشرف اُن کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے"۔

جنرل صاحب نے امام احمد رضاؒ کو اپنے وقت کا ایک زبردست

فقیہہ، عالمِ دین اور صاحبِ کردار شخصیت قرار دیا۔ درمیانِ جلسہ جناب رئیس بدایونی نے منقبت در مدح امام احمد رضا سنائی جس کو سن کر حاضرینِ جلسہ بہت محظوظ ہوئے۔

جلسہ کا اختتام درود و سلام بحضور سرکارِ دوجہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اور آخر میں دعا ہوئی۔ اس کے بعد حاضرین جلسہ کو چائے پیش کی گئی اور یوں یہ نورانی محفل بحسن وخوبی اپنے اختتام کو پہنچی۔

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ
عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ

بیٹھوں جو درِ پاک پیمبرؐ کے حضور
ایمان پر اس وقت اُٹھانا مولیٰ

امام احمد رضاؒ

پروفیسر مجید اللہ قادری

روداد

امام احمد رضا کانفرنس

منعقدہ اسلام آباد ۲ـ۸۵ء بہتمام چوھدری رحمت علی ھال کمیونٹی سنٹر

مورخہ ۳ فروری ۱۹۸۵ء چوہدری رحمت علی ہال میں امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا انعقاد حضرت پیر طریقت جناب ابوالخیر محمد عبداللہ جان نقشبندی مجددی مدظلہٗ کی صدارت میں ہوا۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض جناب سید آلِ احمد رضوی صاحب نے ادا کیئے۔ اسٹیج پر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کے ڈائریکٹر جناب سید ریاست علی قادری صاحب جن کو خاص طور پر اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا تھا، تشریف فرما تھے۔ ان کے برابر پروفیسر امتیاز سعید صاحب اور پروفیسر ابرار حسین صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ جلسے کا آغاز تلاوتِ کلام مجید سے ہوا۔ اس کے بعد ایک نعت بحضورِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پیش کی گئی۔

جناب سید ریاست علی قادری صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا جس میں حضرت پیر طریقت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ کانفرنس دراصل پیر صاحب کی امام احمد رضاؒ سے عقیدت کا عملی ثبوت ہے پیرِ طریقت جس طرح مسلکِ اہلِ سنّت کی خدمت کر رہے ہیں وہ اُس کے لیئے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ خطبۂ استقبالیہ کے بعد پروفیسر امتیاز سعید صاحب نے

اپنا مقالہ پیش کیا۔ آپ نے اعلیٰ حضرتؒ کے ترجمۂ قرآن المعروف کنز الایمان پر سیر حاصل تقریر کرتے ہوئے کنز الایمان کی ادبی اور علمی خوبیوں کا ذکر کیا۔ آپ نے مزید کہا کہ برصغیر میں اس سے بہتر ترجمہ اردو زبان میں اب تک نہیں کیا گیا۔

آخر میں پیر طریقت نے اپنے صدارتی خطبہ میں امام احمد رضاؒ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔ بعدہٗ بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیۂ درود و سلام پیش کیا گیا اور یوں یہ کانفرنس حضرت پیر طریقت کے دعائیہ کلمات کے بعد اختتام پذیر ہوئی۔

اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ چوہدری رحمت علی ہال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اور حاضرین کی آدھی تعداد سے زیادہ ہال کے باہر موجود تھی۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمی اس کانفرنس میں شریک تھے۔ جلسے کے بعد پیر طریقت کی طرف سے علمائے کرام، صوفیائے عظام، دانشوروں اور معززینِ شہر کو عشائیہ دیا گیا۔ آستانۂ خیریہ میں ۹۔ بجے رات کو تقریباً آٹھ سو آدمیوں کو ضیافت دی گئی۔ حضرت پیر طریقت نے امام احمد رضاؒ سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار بڑے ہی منفرد اور اچھے انداز میں کیا۔ وہ اس کانفرنس کی کامیابی سے اس درجہ خوش ہوئے کہ انہوں نے اسی جگہ اعلان کیا کہ اگلے روز ایک اور کانفرنس اسلام آباد میں منعقد ہوگی۔

دوسرے روز بعد نمازِ عشاء جامع مسجد الحبیب اسلام آباد میں نورِ مصطفےٰ اور امام احمد رضاؒ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے ہزاروں عقیدت مندانِ اعلیٰحضرتؒ نے شرکت کی۔

اس کانفرنس میں حضرت مولانا عبدالوحید ربانی صاحب مدظلہ کو ملتان سے خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ آپ کی تقریر دلوں پر گہرا اثر کرتی ہے۔ آپ ایک شعلہ بیاں مقرر اور ملتان کے نامور خطیب اور عالم دین ہیں۔ آپ کی شہرت نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرونِ ملک بھی آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ نے اپنی تقریر میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر بھرپور روشنی ڈالی۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی جان اور روحِ ایمان کہتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں لوگوں کو تلقین کی کہ وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور اُس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں جس کو دنیا اعلیحضرت امام احمد رضاؒ کے نام سے جانتی ہے۔

اس کانفرنس میں تقریباً ڈھائی تین ہزار فرزندانِ توحید نے شرکت کی۔ ان تینوں کانفرنسوں کے انعقاد سے اسلام آباد کی فضاء معطر و منوّر ہو گئی اور امام احمد رضا کی دھوم مچ گئی۔ اور یہ جان کر حیرت و خوشی ہوئی کہ اسلام آباد جیسے شہر میں امام احمد رضاؒ کے عقیدت مندوں کی کمی نہیں۔

کانفرنس ۱۹۸۴ء

منعقدہ کراچی و اسلام آباد

فہرستِ مقالات

سیّد محمد ریاست علی قادری

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

صدرِ محترم عالی وقار جناب ریئر ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد صاحب۔ چیئرمین کراچی پورٹ ٹرسٹ اور معزّز مہمانانِ گرامی قدر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہمارے لیئے یہ انتہائی مسرّت اور شادمانی کا موقع ہے کہ آج کی کانفرنس کے مہمانِ خصوصی جناب ریئر ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد صاحب نمازِ مغرب سے قبل کے اجلاس کی صدارت فرما رہے ہیں۔ ایڈمرل صاحب کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ شہر کراچی کی دینی، ادبی، سماجی اور رفاہی تنظیموں کی مجالس میں آپ کی شرکت و تعاون اس بات کی شاہد ہے کہ آپ دینی اور قومی کاموں کے فروغ و ترقی میں کس درجہ عملی حصّہ لیتے ہیں۔

جنابِ صدر!

آپ نے جس احسن طریقے پر اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ قوم و ملک اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیئے وقف کر رکھا ہے وہ ہم سب کے لیئے باعثِ فخر اور قابلِ تقلید ہے۔

میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کراچی کی جانب سے آپ کا ممنون و شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس کانفرنس میں شرکت فرما کر اپنی علم دوستی

ادب نوازی اور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام احمد رضؒا سے اپنی عقیدت مندی کا عملی ثبوت دیا۔

میرے بزرگو اور دوستو!

میں آپ حضرات کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے یہاں تشریف لاکر اس کانفرنس کو رونق بخشی۔ میں اپنی اور اپنے معاونین و رفقاء کی طرف سے آپ تمام حضرات کا بصمیم قلب استقبال کرتا ہوں اور آپ کو اپنے دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتا ہوں۔

جنابِ صدر!

آج ہم یہاں امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی یاد منانے کے لیئے جمع ہوئے ہیں۔ وہ امام احمد رضؒا جس نے علوم و فنون کے پچپن شعبوں پہ ایک ہزار سے زائد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ وہ امام احمد رضؒا جس نے قرآن کریم کا اردو میں ایسا بے نظیر ترجمہ کیا جس کی مقبولیت سے گھبرا کر کچھ لوگوں نے اس پر پابندی کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبے سے اُن کا مقصد تو پورا نہ ہو سکا البتہ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی مانگ پہلے سے سوگنا زیادہ بڑھ گئی۔ اور بحمد اللہ اس کی اتنی پذیرائی ہوئی کہ اب وہ حضرات بھی امام احمد رضؒا کے ترجمہ کی خوبیاں بیان کر رہے ہیں جو سُنی سُنائی باتوں پر یقین کرتے تھے۔ امام احمد رضؒا جس نے بارہ ہزار صفحات پر مشتمل فتاویٰ کا ایک ایسا انمول خزانہ ہمیں عطا کیا جس کے متعلق علمائے عرب و عجم اور دنیائے اسلام کی مقتدر ہستیوں نے دل کھول کر تعریف کی۔ بمبئی ہائی کورٹ کے پارسی جج ڈی۔ ایف ملّا نے کہا تھا کہ ہندوستان میں فقہ پر دو ہی کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک فتاویٰ عالمگیری اور دوسری فتاویٰ رضویہ۔

امام احمد رضاؒ جس نے اپنی پوری زندگی تصنیف و تالیف میں گزار دی اور ہم کو وہ علمی خزانہ عطا کیا کہ اگر ہم اُس سے صحیح طور پر استفادہ کریں تو دنیا کو علم کی وہ روشنی عطا کرنے میں بڑی مدد کر سکتے ہیں جس کی اس کو اشد ضرورت ہے۔ امام احمد رضاؒ نے اتنا لکھا کہ لکھتے لکھتے اُن کی کمر خمیدہ ہو گئی لیکن وہ برابر لکھتے رہے اور علم کے موتی لٹاتے رہے۔
یہاں مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم عقیدتمندانِ امام احمد رضاؒ نے اِن موتیوں کو اپنے گلے کا ہار نہیں بنایا۔ ہماری علم دوستی اور عقیدت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے جو علمی تبرکات ایک خزانے کی صورت میں ہمارے پاس چھوڑے ہم اُن کی یاد سے بھی غافل ہوتے جا رہے ہیں۔ کاش ہم اندازہ کر سکتے کہ جس محسن نے اپنی پوری زندگی علم کی خدمت میں صرف کر دی اور ہمیں وہ گنج گرانمایہ عطا کیا جس کو پڑھ کر اہلِ علم و دانش حیران ہوئے جاتے ہیں لیکن افسوس کہ ہم نے اس طرف سے منہ موڑ لیا ہے۔ ایک مخلص عقیدت مند وہ ہیں کہ اپنے اکابرین کی قلیل تصانیف کی تعداد میں اس طرح اضافہ کر رہے ہیں کہ اُن کے بعد اُن کے عقیدت مند قلم جنبش میں لا کر اُن کے نام سے کتب تصنیف و تالیف کر کے اُن کی شہرت اور وقارِ علمی میں نئے نئے رنگ بھر کر اضافہ کر رہے ہیں اور مقصد اُن کا یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح اُن کو امام احمد رضاؒ کے مقابل لا سکیں۔ دوسری طرف وہ ہیں جن کی نگارشات کے نتائج حقیقت میں مایہ ناز و افتخار تو نہیں لیکن اُن کے عقیدت مندوں نے اُن کو ایک عظیم کارنامہ قرار دے کر اس طرح خراجِ تحسین پیش کیا کہ اُن کی شہرت کی بلندی آسمان کو چھونے لگی۔ اور ایک ہم ہیں کہ خوانِ نعمت

ہمارے سامنے بچھا ہے لیکن ہم میں اتنی سکت نہیں کہ الوانِ نعمت سے لذت آشنا ہو سکیں۔ انہیں دیکھئے کہ چھوٹے چھوٹے ندی نالوں، نہروں اور تالابوں سے اپنی کھیتیاں سینچ رہے ہیں۔ اور ایک ہم ہیں کہ عظیم دریا ہمارے سامنے بہہ رہا ہے لیکن ہماری کھیتیاں پانی کو ترس رہی ہیں۔ اس سے بڑا المیہ اور کون سا ہو سکتا ہے کہ ہم علمی دولت کا ایک عظیم خزانہ رکھتے ہوئے بھی خالی ہاتھ ہیں۔

امام احمد رضاؒ کی ایک ہزار تصانیف میں سے اب تک بمشکل تین سو کتب و رسائل منظرِ عام پر آسکے ہیں۔ جن میں سے علومِ جدیدہ اور سائنسی علوم پر بہت کم شائع ہوا ہے۔ ریاضی، نجوم، فلکیات، ارضیات جفر، ہندسہ، لوگارثم، مثلث اور ہیئات وغیرہ علوم پر امام احمد رضاؒ نے تقریباً دو سو کتب و رسائل سے زیادہ تحریر فرمائے۔ اس کے علاوہ مشہورِ زمانہ تقریباً ڈھائی سو کتب پر حواشی تحریر فرمائے جن کی اگر طریقے سے تدوین کی جائے تو ایک بہت بڑا ذخیرہ دنیائے علم و ادب کی راہنمائی کر سکتا ہے۔

حضرات!

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کے قیام کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ امام احمد رضاؒ کی غیر مطبوعہ کتب کو شائع کر کے منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ آج کا محقق اور جدید رجحانات سے لیس طبقہ امام احمد رضاؒ کے ذہنی افکار و خیالات سے مستفیض ہو سکے۔ آج کا پڑھا لکھا اور مغربی علوم سے مستفید طالب علم یہ جان سکے کہ امام احمد رضا علومِ قدیمہ و جدیدہ دونوں پر پوری دسترس رکھتے تھے۔

امام احمد رضاؒ نے قرآن وسنّت کی روشنی میں اپنے نظریات پیش کیئے ہیں کہ اہلِ عقل و دانش اُس کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔ علومِ جدیدہ وسائنس میں امام احمد رضاؒ نے کاپرنیکس، نیوٹن، آئن اسٹائن، اور ایف پورٹا وغیرہ سائنسدانوں کا تعقّب کیا ہے اور اپنے نظریات پیش کیئے ہیں جو قابلِ مطالعہ ہیں۔

امام احمد رضاؒ سے نہ صرف ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم نے استفادہ کیا بلکہ امام احمد رضاؒ سے لاہور کالج کے پرنسپل مولوی حاکم علی کے علمی سطح پر بڑے گہرے تعلقات و روابط تھے۔ مولوی صاحب خود ایک زبردست سائنس دان اور ریاضی داں تھے۔ وہ اکثر امام احمد رضاؒ سے ملنے بریلی آیا کرتے تھے اور ریاضی و سائنس سے متعلق گتھیاں سلجھانے کے لیئے انہیں امام احمد رضاؒ سے استفادہ کرنا پڑتا تھا۔

حضراتِ گرامی!

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ نے اپنے قلیل قیام کے دوران مندرجہ ذیل کتب شائع کیں جن کو اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک میں نہایت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اسکالرز امام احمد رضاؒ کی طرف متوجہ ہوئے۔ امریکہ کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف نے امام احمد رضاؒ پر لکھا ہے۔ ہالینڈ کے پروفیسر ڈاکٹر بلیان امام احمد رضاؒ کے فتاوی کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ پاکستان میں پروفیسر شاہ فریدالحق صاحب کا امام احمد رضاؒ کے اردو ترجمے کا انگریزی میں ترجمہ عنقریب شائع ہونے کی توقع ہے۔ بیرون ملک امام احمد رضاؒ کے اردو ترجمۂ قرآن کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ امام احمد رضاؒ کی مشہورِ زمانہ تصنیف الدولتہ المکیہ

کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر منظرِ عام پر آچکا ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ فاضل بریلویؒ کی چند کتب کا انگریزی، فارسی، عربی، سندھی، پشتو زبانوں میں ترجمہ کا انتظام کر رہا ہے۔ پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں امام احمد رضاؒ پر پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے لکھے جا رہے ہیں۔

حضراتِ گرامی قدر!

ادارہ نے اب تک جو کتابیں شائع کی ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ لو گارثم۔

۲۔ مجلہ معارفِ رضاؒ۔ جو ہر سال شائع ہوتا ہے۔

۳۔ امام احمد رضاؒ کی حاشیہ نگاری۔

۴۔ امام احمد رضاؒ اور عالمِ اسلام۔

۵۔ گناہ بے گناہی۔ جس کے اب تک چھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

۶۔ نور و نار۔

۷۔ دائرہ معارف امام احمد رضاؒ۔

۸۔ فتاویٰ رضویہ۔ گیارہویں جلد۔ جو مدینہ پبلشنگ کے تعاون سے چھپی۔

۹۔ فقیہہ اسلام۔ پٹنہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ جو ڈاکٹر حسن رضا اعظمی نے پیش کیا۔ ادارۂ تصنیفاتِ امام احمد رضاؒ

۱۰۔ فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین۔ مقدمہ امام احمد رضاؒ۔

۱۱۔ فتاویٰ رضویہ۔ دسویں جلد۔ زیرِ طبع۔

۱۲۔ امام احمد رضاؒ کے نثری شہ پارے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب جن کا قلم پچھلے بیس سال سے امام احمد رضاؒ پر لکھ رہا ہے، اپنی دوسری ذمہ داریوں اور مصروفیات کے باوجود

برابر لکھ رہے ہیں۔ موصوف آج کل Bibliographical

Encyclopaedia of Imam Ahmed Raza

پر کام کر رہے ہیں۔ اس سے قبل وہ Biographical

Encyclopaedia of Imam Raza

لکھ چکے ہیں جس کی روشنی میں پندرہ جلدوں پر مشتمل امام احمد رضاؒ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل مبسوط سوانح لکھی جائے گی۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ امام احمد رضاؒ کی ایک ہزار تصانیف میں سے جو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور محاسن و فضائل پر مبنی ہیں ایک جامع سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر فرمائیں۔ انشاء اللہ دو تین برسوں میں یہ کتاب منظرِ عام پر آنے کی توقع ہے۔

حضرت علّامہ شمس بریلوی نے حدائقِ بخشش کا تحقیقی جائزہ پیش کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی امام احمد رضاؒ کی شاعری پر ایک سیر حاصل کتاب تحریر فرمائیں گے۔ امام احمد رضاؒ سے اُن کی عقیدت و محبت ہمارے لیئے باعثِ فخر ہے۔ اللہ تعالےٰ اُن کا سایہ قائم رکھے۔ آمین۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں حضرت علّامہ شیخ الحدیث جناب تقدس علی خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی مشفقانہ اور ہمدردانہ سرپرستی کا ذکر نہ کروں۔ آپ کی ذات ہمارے لیئے مشعلِ راہ ہے۔ آپ نے جس طرح ادارہ کی سرپرستی فرمائی اور اپنے قیمتی مشوروں سے ہمیں نوازا اُس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کے درجات میں

بلندی عطا فرمائے۔ آمین۔

میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کی جانب سے کراچی کے تمام اخبارات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضاؒ پر مضامین اپنے اخبارات میں چھاپے۔ خصوصاً امن، حریت، آغاز اور اخبارِ جہاں نے یومِ امام احمد رضاؒ پر بہترین مضامین شائع کیے۔ نوائے وقت نے خصوصی ایڈیشن نکالا۔ اور جنگ اخبار نے تو اپنے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ ڈالے اور اس دفعہ اتنا خوبصورت، دیدہ زیب اور یادگار ایڈیشن شائع کیا جس کے لیئے پاکستان کے لاکھوں عقیدت مندانِ امام احمد رضاؒ اُن کا شکریہ ادا کرتے ہیں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے Basic Sciences کے ممتاز پروفیسر ڈاکٹر ابرار حسین صاحب امام احمد رضاؒ کی مشہور زمانہ تصنیف فوزِ مبین کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ حتی المقدور کوشش کر رہا ہے کہ عالمی پیمانے پر جدید تقاضوں کی روشنی میں امام احمد رضاؒ پر کام کو آگے بڑھایا جائے۔

معزز حاضرین!

آج جن کتب کی رسمِ افتتاح جناب ریٹائرڈ ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد صاحب فرمارہے ہیں وہ یہ ہیں:۔

۱۔ امام احمد رضاؒ کی حاشیہ نگاری۔ مقدمہ نگار حضرت شمس بریلوی۔
۲۔ امام احمد رضاؒ کے نثری شہ پارے۔ مرتبہ سیّد ریاست علی قادری
۳۔ مجلہ معارفِ رضاؒ ۱۹۸۴ء۔ مرتبہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ۔
۴۔ فقیہہ اسلام۔ مؤلفہ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی پٹنہ (بھارت)

ادارہ نے مندرجہ ذیل کتب کی بڑھتی ہوئی مانگ کے پیشِ نظر

ان کو دوبارہ شائع کیا۔

۱۔ گناہِ بے گناہی۔ (چھٹا ایڈیشن)

۲۔ دائرۃ المعارف امام احمد رضاؒ (دوسرا ایڈیشن)

معزز حاضرین!

میں آپ حضرات سے اور خصوصاً عقیدت مندانِ امام احمد رضاؒ سے پُرزور اپیل کرتا ہوں کہ علم دوستی کا تقاضہ یہ ہے کہ کتب بینی کا شوق پیدا کیا جائے اور علم کے سیکھنے، سکھانے اور اس کو عام کرنے میں حتی المقدور کوشش کی جائے۔ امامِ اہلسنّت کے عقیدت مندوں میں شامل ہونا اگر ہمارے لیئے باعثِ فخر ہے تو آیئے اُن اداروں سے تعاون کریں جو امام احمد رضاؒ کی مطبوعات کو منظرِ عام پر لانے میں کوشاں ہیں۔ ہم سے زیادہ وہ حضرات ان کتب سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں جو ابھی تک امام احمد رضاؒ کے متعلق تذبذب کا شکار ہیں۔ آیئے ہم انہیں اس تذبذب سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لائیں۔

پچھلے پندرہ بیس برسوں میں تھوڑا بہت علمی کام ہوا ہے۔ اگرچہ وہ نہ ہونے کے برابر ہے لیکن امام احمد رضاؒ کی دھوم چہار جانب مچی ہوئی ہے۔ آیئے اس دھوم میں اضافہ کریں اور امام احمد رضاؒ کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیں۔

میں جناب ریئر ایڈمرل ایم۔ آئی۔ ارشد صاحب کا بیحد ممنون و شکر گزار ہوں جنہوں نے کراچی پورٹ ٹرسٹ کے لیئے گزشتہ سال ادارے کی کتب خرید فرما کر ہماری ہمت افزائی فرمائی۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس دفعہ بھی ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ اللہ تعالٰی انہیں

عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

ر میں ادارہ ایک بار پھر آپ حضرات کا ممنون و شکر گزار ہے کہ آپ نے
ں تشریف لاکر اس کانفرنس کو کامیاب بنایا۔ مجھے امید ہے کہ آج کی
کانفرنس کی تقاریر و مقالات سے آپ ضرور مستفید ہوں گے۔ آج جو اسکالرز
اور دانشور اس میں حصّہ لے رہے ہیں وہ نہ صرف پاکستان کے صفِ اوّل
کے قلمکار و دانشور ہیں بلکہ اُن کی عالمی شہرت مسلّم ہے۔ انہیں الفاظ کے
ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔ شکریہ۔

محصور جہان دانی و عالی میں ہے
کیا شبہ رضاؔ کی بیمثالی میں ہے

ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال
بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

امام احمد رضاؒ

سید محمد ریاست

خطبۂ استقبالیہ

صدر عالی وقار، مہمانِ خصوصی گرامی قدر اور معزز حاضرین !

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ :

آج ہم یومِ امام احمد رضاؒ کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کی طرف سے یومِ امام احمد رضاؒ کے سلسلے میں گذشتہ چار برسوں میں یہ چوتھی کانفرنس ہے جس میں فضلاء اور دانشور امام احمد رضاؒ کے فکر و کردار کے مختلف گوشوں پر اپنے تحقیقی مقالات پڑھیں گے ۔

آج کی علمی و روحانی مجلس کی صدارت وہ مقدس ہستی کر رہی ہے جو غوث الاعظم حضرت محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی نشانی ہے۔ اور حسنی و حسینی نسبتوں سے مالا مال ہے۔ اہلِ سنّت میں اس ہستی کے وقار و عظمت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب یہ ہستی بریلی شریف میں رونق افروز ہوئی تو مفتیٔ اعظم ہند اور شہزادۂ اعلیٰحضرت مولانا محمد مصطفےٰ رضا خان علیہ الرحمتہ نے برہنہ پا آپ کا استقبال کیا اور جس انداز سے آپؒ کی پذیرائی کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میری مراد شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین قادری جیلانی دامت برکاتہم العالیہ سے ہے۔ جن کی روحانیت نے پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو اپنا گرویدہ بنایا ہے۔ اور اُن کو صراطِ مستقیم دکھائی۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کا مبارک سایہ قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

آج کی مجلس کے مہمانِ خصوصی ملک کی وہ جانی پہچانی شخصیت ہے جس نے ہمیشہ امورِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اہل خیر کے لیئے جس کی ذات ایک نمونہ بن گئی۔ میری مراد جناب ریئر ایڈمرل ایم آئی ارشد صاحب سے ہے۔ جن کے سینے میں عشقِ مصطفےٰ موجزن ہے اور جن کا دل اسلام کے درد سے ہمیشہ تڑپتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے۔ آمین۔

آج ہم یومِ امام احمد رضاؒ منا رہے ہیں عظیم انسان صفحۂ ہستی پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر آنے والے اِن نقوش پر چلتے رہتے ہیں۔ امام احمد رضاؒ نے اپنے فکر و عمل سے سیدھی راہ دکھائی۔ وہی راہ سورۃ فاتحہ میں جس راہ کی تلاش کے لیئے بندوں کو ہدایت کی گئی ہے۔ ہر دور کا انسان جو کچھ کرتا ہے اپنا نفع بھی زیرِ نظر رکھتا ہے۔ لیکن بعض ایسے عظیم انسان بھی ہیں جو اپنے لیئے نہیں بلکہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے آقا و مولیٰ کے لیئے کرتے ہیں۔ امام احمد رضاؒ ایسے ہی عظیم انسان تھے۔ انہوں نے ہزاروں فتوے لکھے مگر ایک پائی نہ لی۔ انہوں نے سینکڑوں کتابیں اور رسالے لکھے مگر ایک پیسہ نہ لیا۔ انہوں نے بیسیوں تقریریں کیں مگر ایک کوڑی نہ لی۔ اُن کا ہر عمل اخلاص کی جان تھا۔ اور اخلاص اسلام کی جان ہے۔ ان کا ہر ہر عمل عوام و خواص سب کے لیئے ایک نمونہ ہے۔

صدرِ عالی مرتبت!

امام احمد رضاؒ نے ماحول سے بے خبر ہو کر زندگی نہیں گزاری۔ وہ خلوت میں رہے مگر ماحول سے باخبر رہے۔ یہ اُن کی بصیرت تھی، یہ اُن

کی دانائی و حکمت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات اور تحریکِ ہجرت وغیرہ میں اپنی بصیرت سے خلوت میں رہ کر جو کچھ مشاہدہ کیا وہ جلوت میں رہنے والے نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنی بصیرت سے صحیح سمت میں مسلمانوں کی رہنمائی کی اور مستقبل کے خطرات سے آگاہ کیا۔ اُن کی نظر نہ صرف اپنے زمانے کے گرد و پیش پر تھی بلکہ مستقبل پر بھی تھی۔ مستقبل کے متعدد واقعات نے امام احمد رضاؒ کی حکمت و بصیرت کی تائید کی۔ اُن کی نظر ملّت کے دل و دماغ پر تھی۔ اور دل و دماغ سے ہی سیرتیں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ انہوں نے عشقِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن کیا جس کو برابر بجھایا جا رہا تھا۔ انہوں نے قرآنِ عظیم کا ایسا ترجمہ کیا جو تعظیم و توقیرِ رسالت کے جذبہ سے لبریز ہے۔ یہ ترجمہ اُن لوگوں کو نہیں بھاتا جو گستاخیوں اور بے ادبیوں میں بہت دلیر ہیں امام احمد رضاؒ نے مقامِ مصطفٰے سے آگاہ کیا۔ اُن کا یہ احسان بھلایا نہیں جا سکتا۔ علّامہ اقبالؒ نے بھی بہت بعد میں محسوس کیا کہ دنیا میں اجالا ہو سکتا ہے تو اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سے ہو سکتا ہے۔ بیشک جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا انسان سمجھ کر پیٹھ پھیر لی وہ خود تباہ ہوا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تباہ کیا۔ امام ربّانی مجدّد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک توحیدِ الٰہی کی معرفت بھی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے ہوئی ہے۔ اس لیئے وہ فرماتے ہیں:۔

"اے خدا! میں تجھ سے اس لیئے محبّت کرتا ہوں کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رب ہے"

بیشک ربِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی رب العالمین ہے۔

ورنہ سینکڑوں مذاہب ہیں اور سب نے خدا کا تصور پیش کیا ہے۔ اسلام کا عظیم تصور توحید جو حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلے سے ملا، کفر و شرک کی ہر آزمائش سے پاک ہے۔ اور یہی سچا نظریۂ توحید ہے۔ جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسانِ عظیم سے انکار کیا وہ توحید کی لذت سے نا آشنا ہے۔ توحید کی لذت بغیر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کے میسر نہیں آسکتی۔ امام احمد رضاؒ نے اس حقیقت کو پا لیا تھا اور اس کا عمر بھر پرچار کیا۔

صدرِ گرامی منزلت!

امام احمد رضاؒ پر مسلسل کام ہو رہا ہے۔ ماضی قریب میں ایک اہم کام یہ ہوا کہ امام احمد رضاؒ کے ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" کا انگریزی ترجمہ مجلسِ رضا مانچسٹر کے تعاون سے قرآن کمپنی (لاہور) نے شائع کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹر محمد حنیف فاطمی نے کیا ہے۔ دوسرا اہم کام یہ ہوا ہے کہ ضیاء لائبریری کراچی نے کنز الایمان کو ۳۰ کیسٹوں میں بھر دیا ہے جس میں تلاوتِ قرآن مجید مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی کے پوتے قاری محمد ظفر صاحب نے کی ہے اور جناب حمزہ نے ترجمہ پڑھا ہے۔ تیسرا اہم کام یہ ہوا ہے کہ نیو کاسل یونیورسٹی (انگلستان) کے پروفیسر غیاث الدین قریشی نے امام احمد رضاؒ کی مشہور تصنیف "تمہید الایمان" کا انگریزی میں ترجمہ مکمل کر لیا ہے جو مجلسِ رضا مانچسٹر کی طرف سے عنقریب شائع ہو جائے گا۔ چوتھا اہم کام ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کراچی نے یہ کیا ہے کہ امام احمد رضاؒ کے بعض نادر و نایاب قلمی حواشی کا عکس ایک مجموعہ کی صورت میں شائع کر دیا ہے جس پر حضرت

علّامہ شمس بریلوی نے فاضلانہ مقدّمہ لکھا ہے۔ اور پانچواں اہم کام یہ ہوا ہے کہ امام احمد رضاؒ کے عربی حاشیہ ردالمحتار کی پہلی جلد جدالممتار حیدرآباد دکن سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ چھٹا اہم کام یہ ہوا کہ امام احمد رضاؒ کی فقاہت پر ڈاکٹر حسن رضا خان نے ڈاکٹریٹ کے لیئے پٹنہ یونیورسٹی بھارت میں جو مقالہ پیش کیا وہ فقیہہ اسلام کے نام سے ادارۂ تصنیفات امام احمد رضاؒ کراچی نے شائع کر دیا ہے جو اہلِ علم کے لیئے قابلِ مطالعہ ہے۔ امام احمد رضاؒ پر مختلف علمی اور تحقیقی ادارے کام کر رہے ہیں جن میں مرکزی مجلس رضا لاہور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کراچی، ادارۂ تصنیفاتِ امام احمد رضاؒ کراچی، مجلسِ رضاؒ کراچی، مجلسِ رضا مانچسٹر، المجمع الاسلامی مبارک پور (بھارت) وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان اداروں نے گذشتہ پندرہ برسوں میں امام احمد رضاؒ پر لٹریچر کی ایک لاکھ سے زیادہ کاپیاں شائع کی ہیں۔ بعض کتابوں کے چھ چھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

صدرِ ذی وقار!

اِس وقت اہلِ پاکستان بلکہ مسلمانانِ عالم کو امام احمد رضاؒ کے حکیمانہ افکار و خیالات کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ برصغیر کے ماضی قریب کے علماء میں وہی ایک ہستی ہے جس نے مسلمانوں کو صحیح سیاسی و معاشی فکر دی۔ امام احمد رضاؒ نے ایک ایسے وقت میں آنکھ کھولی جب آزادی کا آفتاب غروب ہو رہا تھا اور ایک ایسے گھرانے میں آپؒ کی ولادت ہوئی جس نے آزادی کا لطف اٹھایا تھا۔ اس لیئے امام احمد رضاؒ بالواسطہ طور پر آزادی کی رحمتوں اور براہِ راست غلامی کی کلفتوں سے بخوبی آشنا تھے۔ اُن کے مزاج اور اُن کی طبیعت نے غلام ہندوستان میں رہتے ہوئے غلامی

کو قبول نہیں کیا۔ وہ نہ صرف انگریزوں کی غلامی سے آزاد رہے بلکہ کفار و مشرکین ہند کی سیاسی غلامی بھی قبول نہ کی۔

امام احمد رضاؒ فکر کی آزادی کے لیئے جدّوجہد کر رہے تھے۔ وہ حرّیتِ اسلام کے علمبردار تھے۔ اُن کی جدوجہد بالآخر رنگ لائی۔ ہمیں بلند ہونا ہے تو حرّیتِ اسلامی کا وہ علم بلند کرنا ہوگا جو آج سے ۶۰۔۷۰ سال قبل امام احمد رضاؒ نے بلند کیا تھا۔

اس سلسلہ میں امام احمد رضاؒ کے عقیدت مندوں پر بھی کچھ ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور مخالفین پر بھی۔ عقیدت مندوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ اظہارِ عقیدت محض زبان سے نہیں عمل سے ہوتا ہے اور عمل ہی سے جنّت و جہنّم بنتی ہے۔ اس وقت فکر و عمل اور امام احمد رضاؒ کے افکار و خیالات کو پھیلانے کی جتنی ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ علماء و صوفیاء عوام و خواص سب کو اپنے اپنے حلقوں میں اس کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ ان اداروں کا بھرپور تعاون ضروری ہے جو امام احمد رضاؒ کے پیغام کو عام کرنے کے لیئے مثبت کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ ادارے جو کتب شائع کر رہے ہیں ان کو ہاتھوں ہاتھ خریدیں اور دوسروں تک پہنچائیں۔ اگر اللہ تعالےٰ نے مزید توفیق دی ہے تو کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرائیں۔ اس طرح آپ امام احمد رضاؒ سے اپنی عقیدت کا نہ صرف عملی اظہار کریں گے بلکہ آپ کے اس اقدام سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں لاکھوں انسان مستفیض ہو سکیں گے۔

امام احمد رضاؒ کے مخالفین سے یہ عرض کرنا ہے کہ جو ادارے امام احمد رضاؒ کے افکار و کردار پر علمی و تحقیقی کتابیں منظرِ عام پر لا رہے ہیں ان کو حق پسندی

کے ساتھ پڑھیں۔ کیونکہ ان اداروں کی مطبوعات اور امام احمد رضاؒ کی تحقیقات دراصل اہل علم کے لیئے ہیں۔ یہ ہرگز مناسب نہیں کہ بغیر پڑھے اور تحقیق کیئے محض افواہوں اور بہتان طرازیوں پر یقین کر کے امام احمد رضاؒ کے بارے میں ایسے خیالات دل میں جمالیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضاؒ کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہ عام مناظرانہ و مجادلانہ طرز سے ہٹ کر خالص تحقیقی و علمی مقالات و مضامین پیش کرے۔ الحمد للہ اس ادارے کی مساعی بار آور ہوئیں اور اُن حضرات نے بھی امام احمد رضاؒ کا مطالعہ کیا جو امام احمد رضاؒ سے یا تو بے خبر تھے یا اُن کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے۔ اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ امام احمد رضاؒ کے پیغام کو دُور و نزدیک اور اپنے اور بیگانوں میں پھیلائیں۔ لیکن اس کے لیئے توفیقِ الٰہی کے بعد ہمیں اپنے مخلصین کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ امام احمد رضاؒ کے عقیدت مند میدان میں آگے آئیں گے اور ہمارے ساتھ تعاون کریں گے۔ جن حضرات نے اب تک ہمارے ساتھ تعاون کیا اِن سب کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں۔

اس ایوان کے سامنے منظوری کے لیئے چند مطالبات پیش کرتا ہوں جو نہایت اہم ہیں۔ یہ ایوان حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ:۔

۱۔ ناموسِ رسالت کی حفاظت کے لیئے حکومتِ پاکستان نے جو قانون بنایا ہے اس کو سختی سے نافذ کیا جائے اور ہر ایسی کتاب کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے جس میں شانِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گستاخانہ اور بے ادبانہ عبارات ہوں۔

۲۔ ملک کے تمام ہائی اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فوری طور پر

تجوید و قراءت سے واقف مستند قاری مقرر کیئے جائیں۔ جو کالج کے طلباء اور اساتذہ دونوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ ان اساتذہ کا درجہ سیکنڈ کلاس افسر سے کسی طرح کم نہ ہو۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قرآن کی طرف بھرپور توجہ ضروری ہے۔ یہی وہ قرآن ہے جس کو ہاتھ میں لے کر قائداعظمؒ نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا۔ حکومت پاکستان کے خزانے پر قرآن کا پورا پورا حق ہے۔ اور یہ حق بہر صورت اس کو ملنا چاہیئے۔

۳۔ تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیئے ناظرہ قرآن کا امتحان لازمی قرار دیا جائے۔ جو اس امتحان میں کامیاب ہو اس کو داخلے میں اوّلیت دیجائے۔

۴۔ تعلیمی اداروں کے پاکستان اسٹیڈیز کے نصاب میں جو غیر تحقیقی باتیں شامل کردی گئی ہیں حقائق کی روشنی میں ان کی اصلاح کی جائے اور تاریخ کو فرقہ وارانہ رنگ سے محفوظ رکھا جائے۔

۵۔ جو رسائل حکومت کی نگرانی یا تعاون سے چھپتے ہیں ان میں ایسا مواد شائع نہ کیا جائے جس سے کسی مسلمان طبقے کی دل آزاری ہوتی ہو۔

۶۔ پاکستانی جامعات اور تحقیقی اداروں کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے یہاں کھلے دل سے امام احمد رضاؒ پر تحقیق کی اجازت دیں اور رکاوٹ ڈالنے والے افسران کے خلاف محکمہ جاتی کارروائی کریں۔

۷۔ ٹی وی اور ریڈیو کے پروگراموں میں اگر اُن علماء پر گفتگو ہوسکتی ہے جنہوں نے پاکستان کی مخالفت کی اور مخالف رہے تو امام احمد رضاؒ اور اُن کے متبعین علماء و صوفیاء پر بولنے کی اجازت ملنا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے پاکستان کے لیئے فکری اور عملی فضا ہموار کی اور کانگریسی علماء کے مقابلے میں صالح فکر کو پروان چڑھایا۔

آخر میں، مَیں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کی طرف سے صدرِ محترم، مہمانِ خصوصی، مہمانانِ گرامی، فضلاء، دانشور اور سب حاضرینِ مجلس کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی تشریف آوری سے یہ کانفرنس اتنی کامیاب ہوئی۔ ناسپاسی ہوگی اگر میں اُن حضرات کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے بھرپور تعاون سے یہ شاندار محفل منعقد ہوئی اور سب حضرات اس کے روحانی اور علمی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔

نہ مرا نوش ز تحسین، نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی، نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولے کہ نگنجد دروی
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

امام احمد رضاؒ

خطبۂ استقبالیہ

سید ریاست علی قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ۔

صدر عالی وقار جناب میجر جنرل عبدالرحمٰن خان صاحب ۔ صدر آزاد ریاست جموں وکشمیر، میرے محترم بزرگو اور دوستو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ!

ہماری خوش نصیبی ہے کہ آج اس مقدس وبابرکت کانفرنس کی صدارت ایک ایسی علمی شخصیت کر رہی ہے جس کی علمی، دینی اور ادبی حیثیت تو مسلّم ہے ہی لیکن حضرات گرامی میں آپ کی توجّہ اُن کی اُس حیثیت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کے آگے تمام حیثیات مدّھم نظر آتی ہیں اور وہ ہے ایک خادمِ اسلام اور شیدائی رسول ﷺ کی۔

صدرِ محترم!

آپ کی اسی خوبی کی بنا پر ہم نے آپ سے درخواست کی کہ اس کانفرنس کی صدارت فرمائیں۔ جنابِ صدر عالی مرتبت میں آپ کا بیحد ممنون وشکر گزار ہوں کہ آپ نے اس کانفرنس کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی۔

معزز سامعین!

یہ کانفرنس یوں بھی ایک امتیازی حیثیت کی حامل ہے کہ اس وقت ہمارے درمیان ملک کی وہ مایۂ ناز و مقتدر ہستیاں موجود ہیں جن کی علمیت، روحانیت اور ادب دوستی ہم سب کے لئے قابلِ فخر ہے۔ یہاں وہ معزز اور علم دوست ہستیاں بھی موجود ہیں جو تعصب اور مصلحتوں سے بالا تر ہو کر خلوصِ دل سے امام احمد رضاؒ کے علمی و دینی افکار کو جاننا چاہتی ہیں۔ اور وہ بھی ہیں جو کسی نہ کسی اعتبار سے تذبذب کا شکار ہیں لیکن نیک نیتی سے امام احمد رضاؒ کی ہمہ گیر و ہمہ صفت شخصیت اور اُن کے عظیم دینی و ملی کارناموں سے استفادہ کرنا چاہتی ہیں۔

محترم حضرات!

میں آپ تمام حضرات کو بصمیمِ قلب خوش آمدید کہتا ہوں اور آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ یہاں تشریف لائے اور اس کانفرنس کی زینت کو دوبالا کیا۔ میں اپنے تمام معاونین و رفقاء کا ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے اس کانفرنس کے انعقاد میں میرے ساتھ پورا پورا تعاون کیا۔ خصوصاً پروفیسر امتیاز سعید صاحب، ڈاکٹر مطلوب حسین۔ جناب بشیر ناظم صاحب۔ جناب سید ذاکر شاہ صاحب۔ جناب ریاض الاسلام ہاشمی صاحب اور اس کانفرنس کے روحِ رواں جناب سید آل احمد رضوی صاحب اور تمام اخبارات کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس مبارک موقع پر خبریں شائع کیں۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں اسلام آباد ہوٹل کی انتظامیہ کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس مقدس کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں بڑھ چڑھ کر

حصّہ لیا۔

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کے افکار و خیالات نیز اُن کے دینی و ملّی کارناموں کو جدید علمی طبقوں میں روشناس کرانے کے سلسلے میں یوں تو ہر سال کراچی، لاہور اور ملک کے دوسرے اہم شہروں میں مجالس و مذاکرے ہوتے ہیں جن میں دانشور اور اکابر اپنے اپنے مقالات پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ اس قسم کی کانفرنس اسلام آباد میں منعقد ہو رہی ہے۔ اسلام آباد کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں سے امام احمد رضاؒ پر تحقیقی مقالات شائع ہوئے۔ اسلام آباد ویسے بھی علم و دانش کا گہوارہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا کا مرکزی نقطۂ نگاہ بھی ہے۔ اسلام آباد کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ یہاں سے نہ صرف دین اسلام کی ترویج و اشاعت کا سلسلہ جاری ہے بلکہ یہ شہر احیاءِ اسلام کے لیئے مرکزی کردار ادا کر رہا ہے۔ پاکستان اور دنیائے اسلام کی خوش نصیبی ہے کہ یہاں سے محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منشور کا اعلان ہو رہا ہے۔ وہ منشور جس پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے اور آج اسی اسلام آباد میں ہم اُس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد منا رہے ہیں جس کی پوری زندگی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر ہوئی۔ جس کا مشہورِ زمانہ سلام ہے

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

پوری دنیا میں انتہائی عزّت و احترام کے ساتھ پڑھا اور سُنا جاتا ہے۔

میرے محترم بزرگو اور دوستو!

آج ہم یہاں امام احمد رضاؒ کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ وہ امام احمد رضاؒ جس کے عہد میں اور اس کے بعد کوئی اس جیسا کثیر التصانیف عالم و محقق، محدث و فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔ امام احمد رضاؒ پچپن علوم و فنون پر مہارت رکھتے تھے۔ اور ان تمام علوم و فنون میں انہوں نے عربی، فارسی اور اردو میں ایک ہزار سے زائد تصانیف و حواشی یادگار چھوڑے ہیں۔ امام احمد رضاؒ نے علوم قدیمہ و جدیدہ دونوں میں ایسے شاہکار چھوڑے ہیں جن کو دیکھ کر اہلِ علم و فن حیران ہوئے جاتے ہیں۔

یقیناً حیرانی کی بات بھی ہے کہ ایک شخص جب علمِ فقہ پر لکھتا ہے تو بے تکان لکھتا چلا جاتا ہے۔ اقلیمِ فقہ میں اپنی بادشاہت تسلیم کراتا ہے۔ اور ساتھ ہی علمِ تفسیر و حدیث میں اپنا علم بلند کرتا چلا جاتا ہے کہ اقلیمِ فقہ میں تفسیر و حدیث کے پھریرے اگر نہ لہرائیں تو وہ علم علمِ فقہ ہی نہیں۔ وہی شخص جب علوم فلسفہ و سائنس پر لکھنے پہ آتا ہے تو بے دھڑک لکھتا چلا جاتا ہے۔ وہی شخص جب علومِ ریاضی پر لکھنے آتا ہے تو مسلسل لکھتا چلا جاتا ہے۔ وہی شخص جب میدانِ سیاست میں اترتا ہے تو اہلِ سیاست کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ مستقبل کو سمیٹ کر حال میں پیش کر دیتا ہے اور پھر وہی شخص فنِ شاعری کی طرف رُخ کرتا ہے تو ایسے گل کھلاتا ہے کہ صفحۂ قرطاس تختۂ گل معلوم ہونے لگتا ہے۔

معزز سامعین!

امام احمد رضاؒ کے یوں تو بہت سے علمی امتیازات ہیں لیکن پانچ

امتیازات قابلِ ذکر ہیں :۔

۱۔ قرآنیات۔

۲۔ فقہیات۔

۳۔ ادبیات۔

۴۔ سیاسیات۔

۵۔ ریاضیات۔

۱۔ قرآنیات

امام احمد رضاؒ عربی، فارسی اور اردو کے صاحبِ طرز ادیب تھے اور علم وفضل کے ساتھ معانئ قرآن کے نبض شناس بھی۔ اُن کا ترجمۂ قرآنِ مجید "کنز الایمان" مخصوص خوبیوں کے علاوہ اردو نثر کا ایک عظیم شاہکار ہے۔ یہ ترجمہ آج لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو رہا ہے۔ اُس کے مکمل کیسٹ بھی تیار ہو کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان اور انگلستان میں اُس کے انگریزی ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ امام احمد رضاؒ نے قرآنِ مجید کا ایسا ترجمہ کیا جو تعظیم و توقیرِ رسالت کے جذبہ سے لبریز ہے۔

۲۔ فقیہات

امام احمد رضاؒ نے فقہی تحقیقات کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ اور فنِ فتویٰ نویسی میں اپنے معاصرین سے سبقت لے گئے۔ علمائے حرمین شریفین نے

اُن کی فقہی تحقیقات، کی دل کھول کر تعریف کی۔ اُن کے فتاویٰ بہترین تحقیقی مقالات ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کیا اور اُس کو خوب خوب سراہا۔ بے شمار علماء و فضلاء نے اُس کی تعریف کی جس میں مخالف و موافق سب ہی شامل ہیں۔ بمبئی ہائی کورٹ کے پارسی جسٹس ڈی۔ ایف ملاّ، امام احمد رضاؒ کے فتاویٰ کو فتاویٰ عالمگیری کا ہم پلّہ قرار دیتے ہیں۔ اور دونوں مجموعہ ہائے فتاویٰ کو فقہ اسلامی کا عظیم شاہکار قرار دیتے ہیں۔ پاکستان کے ریٹائرڈ چیف جسٹس جناب جسٹس قدیر الدین احمد صاحب نے فتاویٰ رضویہ کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ چیف کورٹ بہاولپور کے جسٹس محمد دین صاحب نے امام احمد رضاؒ کے سامنے ایک استفتاء پیش کیا تھا اور اُس مقدمے کا حل چاہا تھا جو وہ خود حل نہ کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر حسن رضا خان نے پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) سے امام احمد رضاؒ کی فقاہت پر ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ اُن کا مقالہ "فقیہہ اسلام" کے عنوان سے ہندوستان و پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ ادبیات

امام احمد رضاؒ نے نعتیہ شاعری کو بام عروج پر پہنچایا اور فنی اعتبار سے اُسے غزل سے بھی بلند کر دیا۔ چنانچہ خود مولانا حسرت موہانی اکثر اُن کے اشعار گنگنایا کرتے تھے۔ امام احمد رضاؒ کا یہ شعر اکثر مولانا کی زبان پر رہتا تھا۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اُس کو شفیع
جو میرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اور مرزا داغ دہلوی نے بھی اُن کے اشعار کی تعریف کی۔ جب انہوں نے امام احمد رضاؒ کا یہ شعر سُنا تو پھڑک اُٹھے:۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

نیو کاسل یونیورسٹی انگلینڈ کے پروفیسر غیاث الدّین قریشی نے سلام رضؒ کا انگریزی میں بہترین ترجمہ کیا ہے جو مجلسِ رضا مانچسٹر کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔ امام احمد رضاؒ کے اس سلام نے مسلم سیاست میں بھی اپنا اثر دکھایا۔ کیونکہ اِس نے اُس قلب و نظر کو سنوارا جس پر مسلم سیاست کا دار و مدار تھا۔ پروفیسر بشیر احمد قادری نے پنجاب یونیورسٹی میں امام احمد رضاؒ کی نعتیہ شاعری پر ایک ضخیم مقالہ پیش کیا۔ ملک کے مشہور مقدمہ نگار و مترجم جناب حضرت شمس بریلوی نے "حدائق بخشش" کا تحقیقی و ادبی جائزہ پیش کر کے اس میدان میں ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے۔

۴۔ سیاسیات

امام احمد رضاؒ نے سیاسیات میں دو قومی نظریہ کا اُس وقت احیاء کیا جب ایک قومی نظریئے نے ہندوستان میں پوری طرح قدم جما لیئے تھے اور اُس کے دام میں بہت سے علماء و دانشور گرفتار ہو چکے تھے۔ خود ڈاکٹر محمد اقبال اور قائداعظم ابتداء میں ایک قومی نظریئے کے نہ صرف حامی بلکہ مبلّغ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ گاندھی کی ساحرانہ سیاست نے ایسا رنگ جمایا تھا کہ سب کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے اور سب دب کر رہ

میں اپنی تحقیقات پیش کیں۔

اس سلسلہ میں اُن کی مشہورِ زمانہ کتاب "فوزِ مبین در ردّ حرکتِ زمین" بڑی فاضلانہ ہے اور دورِ جدید کے محققین و سائنسدانوں کی توجّہ کی مستحق ہے۔ پروفیسر ابرار حسین (علاّمہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔ اسلام آباد) اس کا انگریزی میں ترجمہ اور اُس پر حواشی لکھ رہے ہیں۔ دورِ جدید کے ایک اُبھرتے ہوئے سائنسدان محمد خالد گورایا بھی اس کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ہندوستان میں اس پر کام ہو رہا ہے۔ اٹلی کے طبیعیات کے مرکز TRIEST میں اس کتاب کے بعض اوراق کا عکس موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب سائنسدانوں اور سائنسی تحقیق کے طلباء کے لیئے قابلِ مطالعہ ہے۔ پاکستان ہندوستان اور بیرونی ممالک میں امام احمد رضؒا کی دینی و ملّی خدمات پر اسکالرز ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔ حکومتِ پاکستان نے امام احمد رضاؒ اور اُن کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی تعلیمات کو بی۔اے کے نصاب میں شامل کر کے یقیناً ایک مستحسن قدم اٹھایا ہے۔ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ہم حکومتِ پاکستان سے اپیل کرتے ہیں کہ امام احمد رضاؒ کے خیالات و افکار کو سرکاری سطح پر قوم و ملک کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ عوام النّاس جان سکیں کہ موجودہ حکومت اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر نہیں۔ اور وہ کھُلے دل سے اُن کا نہ صرف اعتراف کرتی ہے بلکہ اُن کارناموں کو نئی نسل سے روشناس کرانے میں مخلص و کوشاں ہے۔

معزز سامعین!

پاکستان، ہندوستان اور انگلینڈ میں امام احمد رضؒا کی شاعری پر بہت سا کام ہوا ہے۔ چنانچہ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حنیف فاطمی

گئے تھے۔ لیکن تنہا امام احمد رضاؒ نے گاندھی کی اُس ساحرانہ سیاست کو للکارا۔ مسلمانوں کو اُن کے بلند مقام سے آگاہ کیا، اُن کو بیدار کیا۔ "ہندو مسلم بھائی بھائی" کے پُرفریب نعرے کا پردہ چاک کیا۔ مسلمانوں میں اجتماعیت کی رُوح پھونکی اور مسلم قومیت کا احساس دلایا۔ پھر ڈاکٹر محمد اقبال اور قائد اعظم بھی اس طرف متوجہ ہوئے۔ گویا امام احمد رضاؒ کی للکار کی گونج نے قائدین کی رہنمائی کی اور پاکستان کا خواب دیکھا جانے لگا۔ اور وہ بالآخر بننا تھا اور بن کر رہا۔

۵۔ ریاضیات

ریاضیات میں امام احمد رضاؒ کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے مشیگن یونیورسٹی (امریکہ) اور ٹیورن یونیورسٹی (اٹلی) کے پروفیسر ابرٹ۔ ایف پورٹا کی تحقیقات کو للکارا اور اُس کو باطل کر دکھایا۔ جس پر نیویارک ٹائمز کے شمارے گواہ ہیں۔ ریاضی کے ماہرین امام احمد رضاؒ سے استفادہ کرنے جاتے تھے۔ چنانچہ ریاضی کے مشہور فاضل ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے امام احمد رضاؒ سے استفادہ کیا۔ امام احمد رضاؒ سے ملنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ مولانا کو علم لدنّی حاصل ہے۔ لاہور کے پروفیسر مولوی حاکم علی اکثر وبیشتر بریلی جایا کرتے تھے اور امام احمد رضاؒ سے ریاضی اور سائنس کے مسائل پر گفتگو ہوتی تھی۔

امام احمد رضاؒ سائنسی علوم پر بھی عبور رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے نیوٹن، آئن اسٹائن اور کاپرنیکس کے نظریات کا تعاقب کیا اور اُن کے رد

صاحب نے امام احمد رضاؒ کی فقاہت پر انگریزی میں تین مقالات تحریر کیے۔
پاکستان میں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور پروفیسر ابرار حسین صاحب نے
تحقیقی مقالات قلمبند فرمائے۔ انگلینڈ میں پروفیسر غیاث الدین قریشی صاحب
نے امام احمد رضاؒ کی ایک نادر روزگار تصنیف "تمہید الایمان" کو انگریزی میں
منتقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام احمد رضاؒ کی معرکتہ الآراء کتاب "الدولتہ
المکیہ" کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب
نے امام احمد رضاؒ پر انگریزی میں ایک کتابچہ Neglected genius of east
کے نام سے تحریر فرمایا ہے۔ پروفیسر موصوف آجکل امام احمد رضاؒ کی
ایک مبسوط سوانح لکھنے میں مصروف ہیں۔ جو پندرہ جلدوں پر مشتمل
ہوگی۔ مذکورہ سوانح کا خاکہ وہ پہلے ہی Biographical
Encyclopaedia of Imam Ahmed Raza
کے نام سے لکھ چکے ہیں۔

امام احمد رضاؒ پر گذشتہ پندرہ بیس برسوں میں اتنا کچھ کام ہو چکا ہے جس کا
اندازہ سندھ یونیورسٹی کی فاضلہ آر۔ بی مظہری کے تحقیقی مقالے سے لگایا
جاسکتا ہے جس میں انہوں نے امام احمد رضاؒ کے حالات و افکار پر لکھے جانے
والے پانچ سو سے زیادہ مقالات و مضامین کا ذکر کیا ہے۔ یہ مقالہ کتابی
صورت میں "امام احمد رضاؒ دنیائے صحافت کی نظر میں" مرکزی مجلس رضاؒ
لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ مرکزی مجلس رضاؒ لاہور نے اب تک امام
احمد رضاؒ کی تصانیف اور ان پر لکھی جانے والی کتابوں کو مفت تقسیم کر کے
ایک گراں قدر کام سرانجام دیا ہے۔

امام احمد رضاؒ پاک و ہند اور بیرونِ ممالک میں سرعت سے کام ہو

رہا ہے۔ مندرجہ ذیل ادارے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا۔ کراچی۔

معارف رضا۔ لاہور۔

مرکزی مجلسِ رضا لاہور۔ کراچی، مانچسٹر، انگلینڈ۔

ادارۂ تصنیفاتِ امام احمد رضاؒ۔ کراچی۔ بریلی (انڈیا)

المجمع الاسلامی۔ مبارک پور (انڈیا)

رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ (انڈیا)

امام احمد رضاؒ کے متبعین و معتقدین نے جس طرح خلوص و جذبہ سے پاکستان کی تعمیر میں حصہ لیا اُس کا ثبوت ۱۹۴۶ء کی آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس کی وہ قرارداد ہے جس میں کہا گیا تھا کہ اب اگر خدانخواستہ جناح صاحب بھی قیامِ پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں تو ہم اپنی جانوں کے نذرانے دے کر پاکستان حاصل کر کے رہیں گے۔ اس کانفرنس میں پاک و ہند کے دس ہزار سے زائد علماء و مشائخ نے حصہ لے کر پاکستان کی تعمیر میں تاریخی کردار ادا کیا تھا۔ اور آج بھی جب استحکامِ پاکستان کی بات آتی ہے تو وہ کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔

ہم پاکستان میں اسلام اور صرف اسلام کی بالادستی چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کے نو کروڑ عوام جس کی غالب اکثریت مسلمان ہے، صدرِ مملکت جناب محمد ضیاء الحق صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہیں جنہوں نے عشقِ رسولؐ سے معمور اور حبِ رسولؐ سے دھڑکتے ہوئے کروڑوں دلوں کی ترجمانی کی اور یہ بیڑہ اٹھایا ہے کہ پاکستان میں صرف اور صرف نظامِ مصطفٰے ہی کا نفاذ ہو گا جس میں ہم سب کی نجات و بقاء کا دارومدار ہے۔ ہم اُن کو یقین

دلاتے ہیں کہ اس بامقصد و نیک کام میں پوری قوم اُن کے ساتھ ہے۔

صدرِ عالی وقار!

اس وقت اہلِ پاکستان بلکہ مسلمانانِ عالم کو امام احمد رضاؒ کے حکیمانہ افکار و خیالات کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ برِصغیر پاک و ہند کے ماضی قریب کے علماء میں وہ ہی ایک ہستی ہے جس نے مسلمانوں کو صحیح سیاسی و معاشی فکر دی۔ انہوں نے عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن کیا جس کو برابر بجھایا جا رہا تھا۔ امام احمد رضاؒ نے مقامِ مصطفےٰ سے آگاہ کیا۔ اُن کا یہ احسان بھلایا نہیں جا سکتا۔ ڈاکٹر محمد اقبال نے بھی یہی محسوس کیا کہ دنیا میں اجالا ہو سکتا ہے تو اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی سے ہو سکتا ہے۔ بے شک جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا پکڑا اور آپ کی محبت کو سب پر مقدم رکھا دنیا نے اُس کو وہ عزت دی جو تمام عزتوں پر بھاری ہے۔ یہ حبِ رسولؐ ہی کا نعرہ تھا کہ قوم نے ریفرینڈم میں اپنے عمل سے دکھایا کہ عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جب آئے گی تو قوم کا بچّہ بچّہ اپنا سب کچھ نچھاور کر دے گا۔

امام احمد رضاؒ کے اس قطعہ کے ساتھ میں آپ سے رخصت چاہوں گا جس میں آپؒ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی جان کہا ہے۔

فرماتے ہیں :۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انساں وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے اُنہیں
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سید المرسلین۔ شفیع المذنبین۔ خاتم النبیین۔ رحمۃ اللعالمین و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔ شکریہ

سید ریاست علی قادری

خطبۂ استقبالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

جناب صدر عالی وقار پیرِ طریقت حضرت الحاج خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب نقشبندی، مجددی، قادری، سجادہ نشین دربارِ عالیہ مرشد آباد۔ دامت برکاتہم العالیہ۔ اسلام آباد۔ محترم علمائے کرام، مشائخ عظام، میرے معزز بزرگو اور دوستو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سب سے پہلے تو میں پیرِ طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہ العالی کو اپنی اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کراچی کی جانب سے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں جنہوں نے نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام احمد رضاؒ کانفرنس کے انعقاد کا انتہائی پُرخلوص اور والہانہ جذبہ کے ساتھ اہتمام کیا۔ ساتھ ہی ساتھ میں حضرت کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مجھے اس بابرکت اور نورانی محفل میں شرکت کی دعوت دی۔ میرے لیئے یہ بات باعثِ فخر ہے کہ میں اس مقدس محفل میں امام احمد رضاؒ کے افکار اور دینی کارناموں سے مستفید ہونیکی سعادت حاصل کروں۔ یہ کانفرنس ویسے بھی اپنی افادیت وجامعیت کے اعتبار

سے نہایت اہم ہے۔ کیونکہ اس میں ملک کے مشہور و معروف اہلِ علم و دانش حصہ لے رہے ہیں۔

اس کانفرنس کی کامیابی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے عاشقِ مصطفیٰ امام احمد رضاؒ پر جلوہ فگن ہیں۔ اسلام آباد کی فضا اس وقت منوّر و معطّر ہے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ پیرِ طریقت حضرت خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان صاحب مدظلہٗ کی وساطت سے ہمیں اس نورانی محفل میں شرکت کا موقع ملا۔

حضرت پیرِ طریقت کی امام احمد رضاؒ سے محبت و عقیدت کا یہ انوکھا انداز ہم سب کے لیئے قابلِ فخر ہے کہ انہوں نے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کو ہمارے دلوں میں ابھارنے کے لیئے اُس عاشقِ رسولؐ کو نہیں بھلایا جسکی پوری زندگی عشقِ رسولؐ اور اتباعِ رسولؐ میں بسر ہوئی۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

امام احمد رضا

پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد

پیغام

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت اور انتہائی خوشی ہوئی کہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ۔ کراچی، کی جانب سے امام موصوف کے یومِ وصال کے موقع پر ایک کانفرنس کا انعقاد کیا جارہا ہے جس میں ملک کے نامور اہلِ فکر و نظر و معروف صاحبانِ علم و دانش حصہ لے رہے ہیں۔ جو امام عالی مقام، حامیٔ سنتِ خیر الانام، شاعرِ قادر الکلام اور حکیم بلوغ المرام کی حیات و سیرت، علمیت و حکمت، طریقت اور شریعت جیسے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں علماء و دانشوروں کی اس مجلس میں اپنی عدیم الفرصتی کی بناء پر شریک نہ ہوسکوں گا۔ لہٰذا یہ چند سطور بطورِ پیغام ہدیۂ سامعین کررہا ہوں۔

اگرچہ مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ کی بلند پایہ شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں تاہم آپؒ کی پہلو دار شخصیت کے چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ ضروری سمجھتا ہوں۔

امام عالی مقام چودھویں صدی ہجری کے بلند پایہ فقیہہ، ممتاز محدث، متبحّر عالم، قادر الکلام نعت گو شاعر، ماہر سائنسدان اور صاحبِ شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ ان کی جامع الکمال شخصیت میں جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ترجمہ قرآن پاک ہو یا

تشریح احادیث، فقہ کا کوئی مسئلہ ہو یا نعتیہ شاعری، ہر جگہ آپ کے افکار کا محور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کی جانب سے امام موصوف کی یاد میں اس کانفرنس کا انتظام کرنا انتہائی قابلِ ستائش بھی ہے۔ اور لائقِ صد مبارک باد بھی۔ ادارہ کا سب سے بڑا علمی وعملی منصوبہ حیاتِ امام احمد رضاؒ کا پندرہ جلدوں پر مشتمل "دائرہ معارفِ امام احمد رضاؒ" تیار کرنا ہے۔ میں اس کی تکمیل کے لیئے صدق دل سے دعاگو ہوں۔ سیّد محمد ریاست علی قادری صاحب کے زیرِ اہتمام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اس منصوبہ کا جو خاکہ تیار کیا تھا وہ گذشتہ سال میری نظر سے گذرا۔ ادارہ کے اربابِ حل وعقد کو یہ جان کر یقیناً خوشی ہوگی کہ مذکورہ خاکہ کے صفحہ ۱۲ پر جامعات سے جو توقعات وابستہ کی گئی تھیں اس کے پیشِ نظر کلیہ معارفِ اسلامیہ، جامعہ کراچی نے یہ پیش قدمی کی ہے کہ امام عالی مقام پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھوانے کے لیئے جامعہ کراچی میں ایک ہونہار ریسرچ اسکالر کا داخلہ کرا دیا ہے۔ اور اس پر کام کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضاؒ کراچی کے جملہ اراکین و منتظمین کی خالص دینی وعلمی مساعی کو قبول فرمائے اور اس کانفرنس کو ان کی نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید

امام احمد رضاؒ کی تاریخی حیثیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

آج کی اس محفلِ رشد و ہدایت کے صدر سنتِ ابراہیمی کے تابندہ ستارے معمارِ قوم گرامی قدر ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد صاحب علامہ شمس بریلوی، الطاف علی بریلوی شیخ الحدیث حضرت مولانا تقدس علی خان صاحب اور جناب سید ریاست علی قادری صاحب۔ اور جناب صد احترام علمائے کرام، مشائخِ عظام و معزز حاضرین!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

آج کی یہ محفل امام احمد رضاؒ کانفرنس کے نام سے منعقد کی گئی ہے۔ وہ امام جن کے بارے میں مفکرِ پاکستان حضرت علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ "ہندوستان کے اِس دور میں امام احمد رضاؒ خان بریلوی جیسا ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے آپؒ کے فتاویٰ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ آپ کے فتاوی آپؒ کی ذہانت اور علومِ دینیہ میں کمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ گویا آپؒ اپنے دور کے

امام ابوحنیفہ ہیں۔ علامہ اقبال کے اس فرمان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔
یہ حقیقت ہے کہ آج سے ایک سو تینتیس برس قبل برصغیر پاک و بھارت کے افق پر طلوع ہونے والے چاند کی روشنی سے پورا برصغیر منور ہوا۔ وہ عالم دو جہاں کے ہمسر تھے۔ اور علم کے ایسے بحرِ بیکراں کہ گویا سب علوم ان میں سمو دیئے گئے ہوں۔ اُن کی زندگی کے کسی ایک شعبے اور کارناموں میں سے کسی ایک کارنامے پر لکھنے یا اسے بیان کرنے کے لیئے بھی ان ہی جیسی جامع شخصیت کی ضرورت ہے۔ آپ نے امتِ مسلمہ کے لیئے کیا کچھ نہیں کیا۔ آپ کے علم سے تدریس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہوئی۔ آپ کی محبت نے عشقِ رسولؐ کو نئی زندگی عطا کی، اور آپؒ کی سیاسی بصیرت سے تحریک اور قیامِ پاکستان کی راہیں آسان ہو گئیں۔

میں چند سطور اس بارے میں یعنی تحریکِ پاکستان میں اعلیحضرت امام احمد رضا خانؒ کے کردار کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

حاضرینِ محترم!

سید الکونین و الثقلین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی سربلندی کے لیئے ہجرت فرمائی اور مدینہ منوّرہ میں ایک مکمل اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی تاکہ مسلمان کفارِ مکہّ سے الگ ہو کر احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لیئے تگ و دو کریں۔ جس کے لیئے وہ پیدا کیئے گئے۔ اور اپنی اس ذمّہ داری کو پورا کریں جو ان پر خَیْرَ اُمَّةٍ کے ناطے سے عائد ہوتی ہے۔ یعنی (یامرون بالمعروفِ و ینھون عنِ المنکر) بالفاظِ دیگر اصلاحِ معاشرہ کے لیئے

بھرپور کوششیں کیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے مسلمانوں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ ایک طرف مسلمانوں کی یہ کوشش تھی اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام اور اُن کے ساتھ نام نہاد مسلمانوں نے ان کوششوں پر پانی پھیرنے کی ہر ممکن کارروائی کی۔ یعنی اندرونی اور بیرونی سازشیں اسلامی کاوشوں کو ہمیشہ نقصان پہنچانے میں سرگرمِ عمل رہی ہیں۔ خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مقابلہ میں عبداللہ بن ابی منافق سے زیادہ محتاط رہنا پڑا۔ جس نے لباسِ دوستی میں ہر ہر قدم پر مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی بھرپور کوشش کی۔ لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت نے مسلمانوں کو ہر قدم پر محفوظ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادتیں اس کا ثبوت تھیں کہ اسلام کے خلاف غیر مسلم اور لادینی تحریکیں اپنے مذموم عزائم کو پورا کرنے میں منہمک ہیں۔

دورِ اُمیہ اور عباسیہ میں بھی آپ کو اس طرح کی سازشیں بکثرت ملیں گی برصغیر میں جے پال کی کارروائیاں اور انند پال کی سازشیں، پرتھوی راج اور شہاب الدین کی جنگ یہ تمام واقعات اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ باطل کی ان مذموم حرکتوں کو روکنے کے لیئے صرف علمائے حق اور صوفیائے کرام میدان میں آئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کی فتوحات ہماری تاریخ کے اہم باب ہیں لیکن تاریخ کے اُس رُخ سے بھی نئی نسل کو آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ان فتوحات میں حضرت ابوالحسن خرقانی اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کا روحانی جہاد کارفرما ہے۔ داتا گنج بخش، بابا فرید، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ

بہاء الدین زکریا ملتانی حضرت سید علی ترمذی، بایزید انصاری، بابا جی کیاں شریف، پیر قاسم شاہ صاحب موہڑہ شریف، پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف، اور پیر عبداللطیف صاحب زکوڑی شریف۔ یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ ان ہی پاکیزہ و مقدس ہستیوں میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کی ذات با برکت شامل ہے جنہوں نے ۱۹۱۲ء میں وہ چار نکات پیش کیئے اگر ہمارے اکابرین بر وقت ان پر توجہ دیتے تو مسلمان نہ صرف ۱۹۴۷ء سے قبل ہی انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کر لیتے بلکہ آج پورے برصغیر کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہوتی۔

آپؒ نے چار نکاتی فارمولے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

۱۔ مسلمان اپنے دین کی اشاعت کی طرف توجّہ دیں۔ اس نکتہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجیئے کہ ۲۱ نومبر ۱۹۳۰ء میں انجمن حمایت الاسلام کے جلسہ میں علامہ اقبالؒ نے انجمن کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کی توجہ اس طرف دلاتے ہوئے حضرت احمد رضا خاںؒ کے اس نکتہ کی اہمیت کو دہرایا۔ علامہ اقبال نے فرمایا "میں ہر معاملہ کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں اور مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ شریعت کے احکامات پر نہ چلے تو ہندوستان میں اُن کی حیثیت بالکل تباہ ہو جائے گی۔

۲۔ مسلمان فضول خرچی نہ کریں اور مقدمات و دیگر فضول رسموں پر روپیہ پانی کی طرح نہ بہائیں۔

۳۔ مسلمان صرف مسلمان تاجروں سے خرید و فروخت کریں۔ اور

۴۔ اہلِ ثروت مسلمان مسلمانوں کے لیئے اسلامی طرز پر بنکاری کا نظام

قائم کریں۔

اس چار نکاتی فارمولے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرتؒ نے مسلمانوں کے سیاسی استحکام کے لیئے ان کے معاشی استحکام کو بنیاد قرار دیا تاکہ معاشی طور پر طاقتور ہونے کے نتیجے میں وہ سیاسی قوت حاصل کریں گے۔ اعلیحضرتؒ نے مسلمانوں کے لیئے اسلامی طرز پر بنکاری کا نظام قائم کرتے ہوئے غیر سودی بنکاری کی طرف اُس وقت توجہ دلائی سبب کہ بنکاری پر ہندوؤں کا مکمل کنٹرول تھا مسلمان زمیندار ان بنکوں سے قرض لیتے اور پھر سود در سود کے چکّر میں اپنی زمینوں اور دیگر جائدادوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اور یہ ہم سب جانتے ہیں کہ معاشی برتری ہی وہ قوت ہے جو کسی بھی قوم کو کسی بھی معاشرے میں سیاسی اثر بخشتی ہے۔ دور نہ جائیے امریکہ کے حالات دیکھئے۔ یہودی معشیت پر غالب ہونے کی وجہ سے امریکہ جیسی طاقتور حکومت سے اپنی مرضی کے فیصلے کرواتے ہیں۔ اور عرب ممالک معاشی قوت کو صحیح طور پر استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اسرائیل کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔

ایک اور اہم نکتہ جس کی طرف اعلیحضرتؒ نے مسلمانوں کی توجہ دلائی۔ وہ یہ کہ مسلمان مادّی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی اصلاح پر بھی توجّہ دیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہی مادّی ترقی ان کے لیئے اخلاقی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اعلیحضرتؒ کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کرنا اگر ضروری ہے تو اس کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم اشد ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان اپنی تعلیمات بھلا بیٹھیں۔

اعلیحضرتؒ نے اس کے ساتھ ہی ۱۹۲۰ء میں تحریکِ ترکِ موالات

کے سلسلہ میں ایک جامع فتویٰ صادر فرما کر دو قومی نظریہ کو تقویت بخشی۔ جو قیام پاکستان کا بنیادی سبب ثابت ہوا۔

معزز حاضرین!

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان اپنے ایمان و عمل کے اعتبار سے ایک جداگانہ قومیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ برصغیر میں اگرچہ مسلمان اقلیت میں رہے لیکن یہاں اُن کو نامح، مصلح اور فاتح و حاکم کی حیثیت حاصل تھی۔ اور انہوں نے صوبوں میں غیر مسلم اکثریت پر حکومت کی۔ غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے جاہ و جلال اور جذبۂ جہاد کے سبب سر نہ اٹھا سکی۔ مگر اس نے سیاسی چالوں کے ذریعہ مسلم اقلیت کو غیر مسلم اکثریت میں ضم کرنے کی کوشش کی۔ یہ کوشش کبھی دینِ الٰہی کی نئی مذہبی تحریک کے ذریعہ ہوئی اور کبھی ہندو مسلم بھائی بھائی تحریک کے ذریعہ۔ مگر ان تمام کوششوں کو صوفیائے کرام نے ناکام بنا دیا۔ دینِ الٰہی کے خلاف تحریکوں سے علمی جہاد حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا اور عملی جہاد حضرت بایزید انصاریؒ نے۔ جنہیں محققین و مؤرخین پیر روشن کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دسویں صدی ہجری کی تاریخی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر روشن کے معتقدین نے بھرپور طریقہ سے غیر اسلامی تحریکوں کا مقابلہ کیا۔

اسی طرح تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اعلیٰحضرتؒ کے فتاویٰ کی اشاعت کے بعد مولانا عبد الباری فرنگی محلی، علی برادران اور دوسرے اکابرین نے اپنے سیاسی طرزِ عمل کا جائزہ لیتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد تحریکوں سے علیحدگی اختیار کی۔ جس سے مسلمانوں میں جداگانہ قومیت

کا احساس ابھرنے لگا۔ اور مسلمان ہندو سے الگ ہو کر اسلام کے قریب آ گئے۔ اعلیحضرت احمد رضا خان صاحب اور اُن کے زیرِ اثر علماء کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ برصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا تصوّر سامنے آیا۔ جو بعد میں ایک ہمہ گیر تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ اُسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۲۵ء میں آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقد ہوئی اور اہل سنت والجماعت کے علماء اور صوفیاء مسلمانوں کی رہنمائی کے لیئے آگے بڑھے اور پھر حصولِ پاکستان کی تحریک کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا۔ یہ اثر صرف ہندوستان تک محدود نہ تھا بلکہ پورے برصغیر میں اس کا اثر ہوا اور یہ اسی اثر کا نتیجہ تھا کہ قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں جب قائداعظم نے صوبۂ سرحد کے عوام کی طرف رجوع کیا تو حضرت پیر عبداللطیف صاحب زکوڑی شریف اور پیر صاحب مانکی شریف نے اپنے مریدوں کے ساتھ ایسی زبردست تحریک شروع کی کہ بچے بچے کی زبان پہ یہ نعرہ تھا کہ "ہم مانگتے ہیں پاکستان۔ ہم لے کر رہیں گے پاکستان"

حاضرینِ گرامی!

صوبۂ سرحد کے ذکر میں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ اعلیحضرت کا تعلق بھی اسی خطے سے ہے میری مراد ہے افغانستان سے۔ کیونکہ تقسیم سے قبل افغانستان بھی صوبۂ سرحد کا حصہ تھا۔

اعلیحضرت کے آباؤ اجداد قندہار سے پنجاب تشریف لائے آپ کا تعلق پختونوں کے مشہور قبیلہ بڑھیچ سے ہے۔ اور تاریخ یہ بات بھی بتاتی ہے کہ لاہور کا شیش محل انہی کے اکابرین کی جاگیر تھا، پنجاب سے دھلی تشریف لائے۔ اعلیحضرتؒ کے ساتویں جدِّ امجد محمد سعید اللہ خان صاحب

جنہوں نے بہادری کی بنا پر شجاعت جنگ کا خطاب پایا، ایک صاحبزادے سعادت یار خان کے ساتھ ایک مہم کے سلسلہ میں بریلی تشریف لائے۔ مہم میں کامیابی کے بعد آپ کو بریلی کا صوبہ بنانے کا اختیار دیا گیا۔ آپ کے صاحبزادوں میں سے اعظم خان صاحب نے دنیاوی جاہ و جلال کو ترک کیا اور زہد و تقوی کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ آج بھی بریلی کے محلہ معماران میں شہزادے کا تکیہ آپؒ ہی کی نسبت سے مشہور ہے۔ آپؒ کی کرامات میں سے ایک کا ذکر حیات اعلیحضرت مطبوعہ ۱۹۳۸ء میں کیا گیا کہ :-

حضرت محمد اعظم خان صاحب سردی کے موسم میں باریک لباس میں تشریف فرما تھے۔ ایک صاحبزادے حافظ محمد کاظم علی خان جو بدایوں کے کمشنر تھے، اپنی قیمتی دوشالہ اتار کر آپ کو اوڑھا دیا۔ حضرت نے نہایت بے پرواہی سے اسے اتار کر رکھ دیا۔ حافظ صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش اسے کسی اور کو عطا کیا ہوتا۔ حافظ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ آنا تھا کہ حضرت نے اُسے آگ کے بھڑکتے دھرے میں سے دوشالہ کھینچ کر پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ " کاظم! فقیر کے ہاں ڈھکر ڈھکر کا معاملہ نہیں۔ لو اپنا دوشالہ۔ دیکھا تو دوشالہ میں آگ نے کچھ اثر نہ کیا تھا۔

اعلیحضرت احمد رضا خانؒ ایسے فقیروں کی اولاد ہیں۔ آپؒ کی ذات میں کتنی کرامتیں پنہاں تھیں، اس کا اندازہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ لیکن آپؒ نے اُن سب کو مسلمانوں کی اصلاح کے لیئے استعمال کیا۔ اسی لیئے آپؒ کو اگر ایک طرف حضرت فقیر امیر محمد شاہ قادریؒ نے اِن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ ہے کہ " اگر احمد رضا خان بریلویؒ ہندوستان میں فقہ حنفی کی خدمت نہ کرتے تو حنفیت شاید اس علاقہ سے ختم ہو جاتی"۔ تو دوسری طرف

کابل یونیورسٹی کے پروفیسر عبد الشکور صاحب آپ کی خدمات کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں :-

"پٹھان جسے ہم پشتون کہتے ہیں اور خاص کر اشرف البلاد کندھار کے رہنے والے اس پر بہت خوش ہیں کہ ضیاء الدین عبد المصطفےٰ احمد رضا خان بڑی جیسی علمی ہستی ہم میں سے ہے۔ آپ کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ تاریخ ثقافت اسلامی پاکستان وہند میں باتفصیل ثبت ہوں تاکہ آئندہ نسلیں اپنے اکابرین کے کارناموں پر فخر کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

حضراتِ گرامی !

ہم سب کا یہ فرض ہے کہ اسلام کی سربلندی اور تحریک و قیام پاکستان کے سلسلہ میں ہمارے اکابرین نے جو خدمات انجام دیں ہیں اُن سے دنیا کو روشناس کرائیں۔ خصوصاً صوفیائے کرام جن کے قول و فعل کی یکسانیت نے لوگوں کے دلوں کو جیت لیا اور ان ہی میں اعلیحضرت احمد رضا خانؒ کی شخصیت ہے۔ مجھ ناچیز کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ "صوفیائے سرحد کی علمی و اصلاحی خدمات" میں برصغیر کی ایسی ہی ہستیوں کی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ سعادت بھی کہ جامعہ کراچی شعبۂ علومِ اسلامی میں اعلیحضرت احمد رضا خانؒ کی دینی خدمات پر جو پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ زیرِ تحقیق ہے اس کی رہنمائی بھی میرے حصہ میں آئی ہے۔ بڑی بے قدری ہوگی کہ اگر اس موقع پر میں جناب حاجی حنیف طیب صاحب کا ذکرِ خیر نہ کروں جنہوں نے مجھے اس اہم مشن کے لیئے نہ صرف تیار کیا بلکہ قدم قدم پر سرپرستی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

سید ریاست علی صاحب قادری قابلِ مبارکباد ہیں کہ آپ نے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کی طرف سے اعلیٰ حضرت کے علمی کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

قادری صاحب! آپ کے اس نیک کام میں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

حضرت سید ناطاہر علاؤ الدین القادری کی دعائیں ہمارے شامل حال ہیں۔ اور محترم جناب ریٹیرڈ ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد صاحب کی مشفقانہ سرپرستی ہمارے اس حوصلے کو مزید بڑھا رہی ہے۔ ہم سب کو مل کر اپنے اکابرین کی طرح اسلام کے لیئے اور پاکستان کے لیئے کام کرنا ہے۔ خواہ ہمارا تعلق سرحد و بلوچستان کے کوہستانوں سے ہو یا پنجاب و سندھ کے سرسبز صحراؤں سے ہم سب نے مل کر اس فرض کی بجا آوری کرنی ہے جیساکہ حضرت علامہ اقبال نے فرمایا:۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی، یا مردِ کوہستانی

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

منقبت بحضور امام احمد رضا خاں

از ڈاکٹر پروفیسر محمد اسلم فرخی صاحب سابق رجسٹرار و صدر شعبہ اُردو جامعہ کراچی

امام احمد رضا علم و سعادت کا سمند ہیں
امینِ دولتِ حق رہبرِ راہِ پیمبر ہیں

ضائع خانۂ عالم میں ہیں گل کاریاں ان سے
ضیاءِ خواجۂ عالم سے ممتاز و مُنوّر ہیں

ان ہی کے فیض سے رخشاں ہیں راہیں دین و دانش کی
ان ہی کا فیض ہے اب تک کہ یہ راہیں منوّر ہیں

وہ اعلیٰ حضرت اعلیٰ مرتبت فہم و ذکا فطرت
یہ راہیں ان کی نسبت ہیں کہ وہ حق گوئی کے پیکر ہیں

جمال حرفِ معنی ہیں گریز لسن ترانی ہیں
وقار خوش بیانی ہیں صفیروں میں مفخّر ہیں

دیار دل میں ان کے فیض سے ہر سُو اجالا ہے
سکون قلبِ مضطر ہیں علاج دیدۂ تر ہیں

سخن میں تازگی ان سے سخن میں روشنی ان سے
سخن گو ہیں سخن داں ہیں سخن پرور سخن ور ہیں

امام عصرِ حاضر شان نعمان بن ثابت
چراغِ بزمِ عرفاں ہیں جمال حق کا مظہر ہیں

ادائے حق رضائے حق عضدِ حق برائے حق
امام احمد رضا کی آئینہ سازی کے جوہر ہیں

کہاں اتنی مجال اسلم کہ میں حرف ثنا لکھوں
امام احمد رضا علم و سعادت کا سمندر ہیں

ریٹائرڈ میجر جنرل عبدالرحمٰن خان سابق صدر آزاد جموں وکشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام احمد رضا کے مسلمانوں پر عظیم احسانات

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

محترم علمائے کرام ومعزز حاضرین السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج کے اس روح پرور اجلاس میں شرکت کرنا میرے لئے باعث فخر ہے۔ اور میں اس عزت افزائی کے لئے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی کا بیحد مشکور ہوں، میں آزاد کشمیر اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن جناب سید کفایت حسین صاحب کا بھی ممنون ہوں جنکی وساطت سے مجھے اس روحانی محفل میں شرکت کا موقع نصیب ہوا۔

علمائے کرام اور مفکرین اسلام کی محفلوں میں شرکت کرنا تو ویسے بھی باعث برکت اور روحانی تسکین کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن آج کی اس محفل میں امام احمد رضا جیسی عبقری اور مذہبی شخصیت کے علم وفکر اور ان کے دینی وملی شاندار کارناموں کی تفصیلات سن کر جنکی وجہ سے دنیائے اسلام میں روشنی پھیل گئی مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج میں نے اس محفل میں روحانی انوار اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موتیوں سے اپنے دامن کو بھر لیا ہے، اور یہ میری زندگی کا قیمتی اور روحانی اثاثہ ہے آپ حضرات نے علمائے کرام کے بصیرت افروز مقالات اور روحانی تقاریر سنیں میں تو صرف اس نکتہ پر یقین رکھتا ہوں کہ امام احمد رضا نے برصغیر کے مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن کی اور ان کو ایسا روحانی سبق دیا کہ ان کے سینے تاابد جگمگاتے رہیں گے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کرنے کے لئے امام احمد رضا نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی اور اس سلسلے میں جو کارہائے نمایاں انہوں نے سرانجام دیئے وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، انہوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کو اجاگر کرنے کے لئے سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں اور درس وتدریس کے ذریعہ ایمان کی روشنی پھیلائی۔

امام احمد رضا نے ایسے وقت میں جب کہ دین کی قدروں کو گرایا جارہا تھا، اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں کے قلوب سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے کو ختم کرنے کی ناپاک کوششیں شروع کردی تھیں۔ مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے علمی کارناموں سے بے گانہ رکھنے کے جتن کئے جارہے تھے، میدان عمل میں آکر دین اسلام کی آبیاری کی، مسلمانوں کو ان کے شاندار علمی اور مذہبی کارناموں سے روشناس کرایا۔ مسلمانوں کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت سے آگاہ کیا جو دراصل ایمان کی روح ہے ان کا یہ احسان کبھی نہیں بھلایا جاسکتا امام احمد رضا نے مسلمانوں کو دین اسلام کی آفاقیت سے روشناس کرایا جس کی روشنی میں وہ اسلام کی لازوال تعلیمات سے دنیا کی قیادت کرسکتے ہیں۔

جن عظیم اور بزرگ ہستیوں نے مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنے میں اپنی زندگیاں وقف کردیں اور اسلام کے جھنڈے کو بلند کرکے دین اسلام کی آبیاری کی ان میں امام احمد رضا کا نام نامی بہت ہی نمایاں ہے اس لئے آج ہم اس کانفرنس میں ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کا بنیادی مقصد اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کا معاشی، تمدنی، سیاسی اور علمی میدان میں دنیا کی قیادت کرنا تھا اور برصغیر میں عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کرنا تھا۔ اسی تصور کی روشنی میں حضرت علامہ اقبال نے مسلمانوں کو بیدار رکھنے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کردی تھیں اور بعد کو قائد اعظم نے اسی اثاث کی بنیاد پر پاکستان حاصل کیا، قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کی ایک جدا مملکت کے حصول کی خاطر اسلامی اتحاد کو اولیت دی اور مسلمانوں کو ان کے عظیم کارنامے یاد دلائے۔ انہوں نے بے پناہ قربانیاں دیکر پاکستان حاصل کیا۔ یہ وہی اسلامی مملکت پاکستان ہے جس کی داغ بیل امام احمد رضا نے برسوں پہلے ڈال دی تھی اور جس کے لئے انہوں نے راہ ہموار کردی تھی۔

ہم نے دیکھا کہ جب تک اسلامی اتحاد اور مذہب سے لگن اور ملت مسلمہ میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ کارفرما رہا اسلام دشمن طاقتیں ہم سے خوف زدہ ہیں لیکن جونہی ان

میں کمی آئی انہوں نے ہر طرف سے یلغار کر دی اور ایک وقت وہ آیا جب ہم آدھے پاکستان سے ہاتھ دھو بیٹھے یہ تاریخ کا ایک انتہائی تاریک پہلو ہے جس سے ہماری گردنیں شرم سے جھک گئیں اور آج بھی یہی طاغوتی طاقتیں مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے سلسلے میں برسرپیکار ہیں۔

الحمدللہ ہمارے محبوب صدر جنرل ضیاء الحق صاحب نے تہیہ کر رکھا ہے کہ پاکستان میں اسلام اور صرف اسلام کا بول بالا ہوگا۔ اس ضمن میں پاکستانی حکومت نے بڑے مخلصانہ فیصلے کئے ہیں اور اب ان پر آہستہ آہستہ عمل ہو رہا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب پاکستان دنیائے اسلام کی قیادت کرنے کے لائق ہو جائے گا۔

کشمیر کے آدھے حصے پر ابھی تک ہندوستان کا تسلط ہے جہاں مسلمانوں کی اقدار کو ختم کیا جا رہا ہے لیکن کشمیر چونکہ بزرگان دین اور اولیائے کرام کا مسکن رہا ہے اس لئے وہاں کے مسلمان کبھی بھی اسلام دشمنی قبول کرنے کو تیار نہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بھارت کی غلامی کو قبول نہیں کیا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے دینی کشمیری بھائیوں کی حوصلہ افزائی کر کے ان کی جدوجہد آزادی میں بھرپور حصہ لے کر پورے کشمیر میں اسلام کا جھنڈا نصب کر دیں۔

قائداعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اتحاد کا سہارا لیکر اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے دلوں کو منور کریں۔ امام احمد رضا کا یہی مقصد تھا اور اسی کے لئے انہوں نے اپنی ساری توانائیاں وقف کر دی تھی اتحاد اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی ہم اپنے دین کو بچا سکتے ہیں اور عزت و وقار کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔

میں ایک بار پھر اس عزت افزائی کا بصمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو امام احمد رضا کے ملی و دینی کارناموں سے مستفید فرمائے آمین

اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد

سید آل احمد رضوی

فنا فی الرسولؐ

امام احمد رضاؒ

علمائے کرام، مشائخ عظام، قابلِ احترام بزرگو، دوستو!

اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں قرآنِ کریم کی روشن تعلیمات اور ہادیٔ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ پاک دو بہت بڑے عوامل تھے جن کی بناد پر اسلام نے ابتدائی طور پر عرب معاشرے کو اور پھر دنیا بھر کی تہذیبوں اور تمدّنوں کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ ان میں عظیم انقلابی تبدیلیاں بھی پیدا کیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد آپ کے صحابہؓ نے تبلیغِ دینِ حق کے مشن کو جاری رکھا اور چند ہی برسوں میں یعنی عہدِ فاروقی میں ہی اسلام کی نورانی تعلیمات تقریباً ۲۲ لاکھ مربع میل کے علاقے تک پھیل گئیں۔ اور اس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ صحابہؓ کرام کے بعد یہ فریضہ صوفیائے کرامؒ اور صالحینِ امّت نے اپنے ذمّہ لیا اور شب و روز تبلیغِ اسلام کے لئے سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر اسلام کی تبلیغ و ترویج میں وہ عظیم اور بھرپور کردار ادا کیا کہ کروڑوں انسان حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

برِصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر اولیائے کرام اور بزرگانِ ملّت کی وجہ سے ہوئی۔ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک جتنے بھی اولیاء اللہ آئے سبھی نے خلقِ خدا کو توحیدِ الٰہی کے رازوں سے آشنا

کیا۔ ان کے دلوں کو پیغمبرِ اوّل و آخر کی معرفت سے آگاہ کیا۔ اپنے اپنے دور میں اُنہوں نے ہر قسم کی برائیوں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کیا۔ اسی دوران قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، دُکھ سہے، جابر حکمرانوں سے ٹکر لی۔ لیکن پھر بھی وہ ان نامساعد حالات میں لوگوں کو حق شناسی اور حق پرستی کی دعوت دیتے رہے۔ انہی لوگوں کی نشاندہی خدائے بزرگ و برتر نے اپنی آخری کتاب میں یوں کی ہے۔

"تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضروری رہنے چاہیئں جو نیکی کی طرف بلائیں بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو یہ کام کریں گے فلاح پائیں گے۔"

(آل عمران: ۱۰۴)

حضراتِ گرامی!

برِصغیر پاک و ہند میں اسلام کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں جن صوفیائے کرام نے گراں بہا خدمات انجام دی ہیں اُن میں اعلیحضرت امام احمد رضا خان کا نامِ نامی خصوصی مقام و مرتبے کا حامل ہے۔ آپؒ کی ذاتِ والا صفات نے برِصغیر میں ایمان و عمل کی جس قندیل کو فروزاں کیا تھا اس کی تابناک شعاعیں آج بھی ہر ذرّے کو حلقۂ نور میں سمیٹے ہوئے ہیں اور اُن کے روحانی فیوض سے ایک عالم فیضیاب ہو رہا ہے۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خانؒ اپنے وقت کے امام، مؤرّخ، محدّث، مفسّر مفتی، فقیہہ، انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ عشقِ رسولؐ کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپؒ نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر میں لوگوں کے سینوں میں عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جوت جگائی۔ وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ درود و مناجات اور سلام

کی صورت میں انہوں نے نہایت مؤثر، بلند پایہ اور معنی آفرین نعتیں کہی ہیں۔
ان کی بیشتر نعتیں قرآن و احادیث کی تفسیر و ترجمہ ہیں۔
خود کہتے ہیں:-

ؔ قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان یقیناً فنا فی الرسول ؐ تھے۔ اس کا اندازہ
آپؒ کے کلام کے مطالعہ سے ہوتا ہے:
فرماتے ہیں:-

ع ایسا گما دے اُن کی رضا میں خدا ہمیں
ڈھونڈھا کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو
خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جب تک دم ہے ذکر اُنکا سُنائے جائینگے

حضراتِ گرامی!
یہ میری خوش نصیبی ہے اور مجھے فخر ہے کہ اعلیحضرت امام احمد رضاؒ اور میرے دادا سیّد عاشق علی المعروف عاشق باللہ نہ صرف ہم عصر تھے بلکہ ان دونوں بزرگوں کو سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے ممتاز و مشہور بزرگ حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی سے بیعت اور خلافت کا شرف بھی حاصل تھا۔
سامعینِ محترم! عرب و عجم ہر جگہ اعلیحضرت کے علم و فضل، ذہانت اور نکتہ رسی کی غیر معمولی انداز میں تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ آج کی یہ مقدس و بابرکت محفل اُن ہی کے ذکر کیلئے سجائی گئی ہے جس میں مشائخ عظام، علمائے کرام اور دانشورانِ ملت اپنے اپنے انداز میں اعلیحضرت کی سیرت و شخصیت پر اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار فرمائیں گے۔

مخدوم زادہ قاضی محمد اسرار الحق حقانی

مولانا احمد رضا خانؒ

بحیثیت

علمی شخصیت

صدرِ باوقار، معززِ علمائے کبار، سامعینِ حضرات و عاشقانِ نبی مختار محبانِ آلِ بیت اطہار و جاں نثارِ صحابہ کبار!

آج کی کانفرنس زیرِ اہتمام ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی انعقاد پذیر ہے جس میں آپ بھی تشریف فرما ہیں اور فقیر بھی حاضر ہے۔ میرے مقالہ کا موضوع مولانا احمد رضاؒ کی علمی حیثیت پر مبنی ہے۔ مختصر سے وقت میں حضرت مجددِ دین و ملت، امامِ اہلسنت اعلیحضرتؒ کے علمی کارناموں کے متعلق چند گذارشات پیش کر رہا ہوں۔ خداوند ذوالجلال نے دنیا میں بعض انفاسِ مقدسہ کو پیدا کیا اور اُن کو ممتاز حیثیت عطا فرما کر اہلِ دنیا کے لیئے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اُن میں سے ایک ممتاز ترین شخصیت اعلیحضرت عظیم البرکت حامئی سنت حضرت الشاہ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپؒ کی علمی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی وجہ سے برصغیر میں ہی نہیں بلکہ حجازِ مقدس میں بھی آپؒ کی

شہرت کا چرچا ہوا۔ آپ کی وجہ سے بریلی ایک شرعی مرکز قرار پایا۔ مولانا کی ذات مقدسہ دینی، علمی اور روحانی شخصیت ہونے کی وجہ سے اوراقِ تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ آپ یگانۂ روزگار، عالم باعمل، فقیہہ، محدّث مفسّر، مبلّغ، مدرّس، مفتی، صوفی اور ولی کامل تھے۔ ہند و پاک کے اولیائے کرام اور علمائے عظّام کا جو مسلک حقہ تھا جس کی ترویج خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر بزرگانِ دین نے کی تھی اسی مسلک کی حفاظت کا بیڑہ چودھویں صدی میں امامِ اہلسنّت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ نے اٹھایا۔ ہندوستان میں باضابطہ حدیثِ نبویؐ کے درس کا افتتاح شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ پھر یہ خدمت خاندان ولی اللہ محدّث دہلویؒ کو منتقل ہوئی۔ اس خانوادہ کے مشہور محدّث شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہیں۔ جن معتقدات کا پرچار ان بزرگانِ دین کے ذریعہ ہوا انہی عقائد کے پاسبان مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہوئی۔ آپ کے عقیدہ میں بال برابر بھی لچک نہیں آئی۔ اور کسی مصلحتِ وقتی کے تحت آپ کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آیا۔ آپ نے ہر ایسے فرد کی گرفت کی جس کا قلم عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اٹھا۔ یا اہلبیت اطہار، ازواجِ مطہرات، یا شانِ صحابۂ کرام اور اولیائے عظّام کے خلاف کہا تو آپ کی زبان و قلم جنبش میں آئی۔ یعنی ردِّ نجدیت، ردِّ رفضیت، ردِّ قادیانیت اور تمام باطل فرقوں کا مقابلہ کیا۔ آپ کی تصانیف ایک ہزار کتب و رسائل پر مشتمل ہے۔ اگرچہ تمام طبع نہ ہوسکیں۔ لیکن اس دینی خدمات کے پیشِ نظر ہی آپ کو مجدّد تسلیم کیا گیا۔ کیونکہ جو صفات مجدّد کی ہوتی ہیں وہ تمام

کی تمام آپؒ کی ذاتِ گرامی میں موجود تھیں۔ لہٰذا آپؒ کو چودھویں صدی کا مجدّد تسلیم کیا گیا۔ آپؒ نے احیاءِ دین کے لئے تحریر، تقریر، تصنیف اور تالیف کے ذریعہ خدمات انجام دیں۔ علمی حیثیت کا تعیّن صرف آپؒ کی تصانیف سے ہی ہوتا ہے۔ اعلیٰحضرتؒ کی ذات صرف فقیہہ، مفسّر، محدّث ہی نہ تھی بلکہ اقلیدس، علمِ نجوم و جفر اور علمِ ہندسہ وغیرہ کے بھی متبحر عالم تھے۔ اعلیٰحضرتؒ نے چودہ سال کی عمر میں علومِ درسیہ سے فراغت پائی۔ آپؒ علوم وفنون کا وہ بحرِ بیکراں تھے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ آپؒ کو تقریباً ۵۴ علوم پر دسترس حاصل تھی اور ہر علم میں تصنیف فرمائی۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں دو عظیم ہستیاں تھیں کہ جنہوں نے بے شمار علوم وفنون پر توجّہ فرمائی۔ ایک ابو نصر فارابی جنہوں نے ۲۷ مختلف علوم وفنون پر ۱۹۲ کتب و رسائل تصنیف فرمائے۔ اور دوسری ہستی اعلیٰحضرت عظیم البرکت، حامئ سنّت، ماحئ بدعت، مجدّدِ دین وملّت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تھی جنہوں نے تقریباً ۵۴ مختلف الانواع علوم و فنون پر ایک ہزار کتب و رسائل تصنیف فرمائے۔ اقسامِ علوم میں اگرچہ فارابی کو پیش قدمی حاصل ہے لیکن تصنیف اور تالیف کے میدان میں فارابی اعلیٰحضرتؒ سے پیچھے نظر آتے ہیں۔

اعلیٰحضرتؒ کو حج پر جانے کا اتفاق ہوا تو مخالفین کے بے شمار اعتراضات تھے اور یہ بھی الزام لگایا گیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو اللہ تعالےٰ کے علم کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ شریفِ مکّہ کی حکومت تھی۔ جواب طلب کیا گیا۔ آپؒ نے ½ ۸ گھنٹہ میں الدّولتہ المکیّہ جیسی

مبسوط کتاب لکھ کر مخالفین کو لاجواب کر دیا۔ آپؒ نے منفرد حیثیت کا ترجمہ قرآن مجید بھی کیا۔ جو کہ بفضلہ تعالےٰ علم و حکمت سے لبریز ہے اور مخالفین اس ترجمہ سے لرزہ براندام ہیں۔ آپؒ کی علمی قابلیت کا اعتراف مخالفین بھی کر چکے ہیں۔

آپؒ عالم با عمل اور ولی کامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قادر الکلام شاعر بھی ہیں۔ آپؒ کا نعتیہ کلام " حدائق بخشش " کے ایک ایک شعر سے عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہوتا ہے۔ اور آپؒ کا یہ کلام ہی آپؒ کے عاشق رسولؐ ہونے کی دلیل ہے۔ آپؒ کا مرتّب کردہ سلام بحضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آج کل زد کلام عام ہے۔

" مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام "

آپؒ کی دینی و علمی خدمات برصغیر کے اکابرین اور علمائے حق کے نقشِ قدم پر ہے۔ بطلِ حریت مولانا فضلِ حق خیر آبادیؒ، مجاہدِ اعظم مولانا سیّد کفایتؒ علی کافی مراد آبادی، عالمِ محقق مفتی عنایت احمد کاکوروئیؒ، اسیر جزیرۂ انڈمان مجاہدِ قوم مولانا سیّد احمد اللہ شاہ شہید، استاذ الہند مولانا صدرالدین خانؒ مرحوم آزردہ دہلوی، مولانا عبدالجلیل شہیدؒ علی گڑھی، مجاہدِ اعظم مبلّغِ دین مولانا فیض احمد عثمانیؒ بدایونی، شہید حریّت منشی رسول بخش کاکورویؒ، یہ وہ ہستیاں ہیں جن کے کارناموں اور انگریز کے خلاف جہاد پر کوئی پردہ نہیں ڈال سکتا سوائے اُن لوگوں کے جو کہ انگریز کے پروردہ ہوں اور جنہوں نے مسلمانوں میں مذہبی تعصّبات کو ہوا دے کر افتراق اور انتشار پیدا کیا۔ مولانا کی زندگی کا مشن اکابرین مذکورین کے اعتقاد کے عین مطابق تھا اور اسی مشن کی تکمیل آپؒ نے فرمائی جو کہ آج دنیائے اسلام پر روزِ روشن

کی طرح واضح ہے۔

آج آپؒ کی یاد کا دن منانا ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے کردار کو اسی طرح اپنائیں جس طرح اعلیحضرتؒ کی ذاتِ گرامی نے عملی جامہ پہنایا تھا۔ ان نفوسِ مقدسہ کے دنیا سے رحلت فرماجانا اور اُن کے یہ اعمال جو قیامت تک باقی رہنے والے ہیں اُن کی حیات کی دلیل ہیں۔ اور بمصداق:۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالمِ دوامِ ما

آخر میں خداوند ذوالجلال سے بطفیلِ نبی ذوالکمالؐ یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر، جس کی تصریح قرآن مجید نے اَنْعَمْتَ سے فرمائی ہے، ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا ربّ العالمین۔

ابوطاہر سید سبطین احمد

امام احمد رضاؒ
علوم کا ایک بحرِ بیکراں

حضراتِ محترم!

جہاں آج کی اس بابرکت تقریب میں رحمتِ عالم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ جمیل ہو رہا ہے وہیں امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کا تذکرہ بھی کیا جائے گا جن کی رگ و پے میں عشقِ مصطفویؐ رچا بسا تھا۔ اور جن کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ ادب و احترام اور عشق و محبت سے عبارت ہے۔ اعلیحضرتؒ کے کلام میں دلکشی بھی ہے اور اثر آفرینی بھی۔ سادگی بھی ہے اور سلاست بھی۔ جذب بھی ہے اور کیف بھی۔ جہاں اُن کی نثر دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے وہیں اُن کے اشعار دلوں پر دستک دیتے ہیں۔

حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمتہ جیسی ہستیاں صدیوں بعد منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوتی ہیں۔ اُن کی شخصیت جامع علوم و جامع صفات تھی۔ علوم کا کوئی شعبہ اُن کی دسترس سے باہر نہ تھا۔ وہ علوم کا ایک ایسا بحرِ بیکراں تھے کہ جس سے لاکھوں تشنگانِ علوم فیضیاب ہوئے اور آج بھی ہو رہے ہیں۔

حضراتِ گرامی!

یہ ایک زندہ و جاوید حقیقت ہے کہ برِّصغیر کے لوگوں کے دلوں میں عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ بیدار کرنے میں اعلیحضرت شاہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے وہ لافانی کردار ادا کیا جس پر نہ صرف عصرِ حاضر کے لوگ بلکہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی فخر کریں گی۔ اس لیئے کہ:۔

اسی سے نورِ نظر ہے اسی سے راحتِ دل
متاعِ زیست ہے عشقِ محمدِ عربی

حضراتِ گرامی!

یہ کائنات، اس کائنات کا تمام حسن و جمال، آفتاب کی تابانی، ماہتاب کی چاندنی، ستاروں کی جگمگاہٹ سب کچھ صدقہ ہے جمالِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تجلیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

بقول اعلیحضرت امام احمد رضاؒ:۔

ع ہے انہیں کے دم قدم سے باغِ عالم کی بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، مگر وہ نہ ہوں عالم نہیں

ع وہی نورِ حق وہی ظلِّ رب، ہے انہیں سے سب، ہے انہیں کا سب
نہیں اُن کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں، کہ زماں نہیں

ع فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

اور:۔

اَنَا اَوَّلُ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَآخِرُھُمْ فِی الْبَعْثِ

میں پیدائش میں نبیوں سے پہلا ہوں اور بعثت کے اعتبار سے

آخر ہوں۔

مزید ارشادِ نبویؐ ہوا :۔

كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ

میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم اپنے خمیر میں تھے

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :۔

اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ

میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اعلیحضرت امام احمد رضاؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :۔

ع زمین و زماں تمہارے لیئے، مکین و مکاں تمہارے لیئے
چنین و چُناں تمہارے لیئے، بنے دو جہاں تمہارے لیئے
فرشتے خدم، رسولِ حشم، تمامِ امم، غلامِ کرم
وجود و عدم، حدوث و قدم، جہاں میں عیاں تمہارے لیئے
یہ شمس و قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمہارے لیئے

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک و تعالےٰ نے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

فرما کر ہر دور کے مسلمانوں کے لیئے ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیئے بہترین نمونہ قرار دیا۔ اور ساتھ ہی ابنِ آدم کو یہ حکم بھی سُنا دیا۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

یعنی جس نے رسولؐ کی پیروی کی اُس نے اللہ کی پیروی کی۔

صرف یہی نہیں بلکہ خدائے دو جہاں نے واضح اعلان فرما دیا:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو رفعت بخشی۔

ذکرِ حبیبؐ کی یہ سر بلندی تاریخی ادوار، جغرافیائی قیود، اقوام و ملک کی تقسیم، رنگ و نسل کی تفریق اور زبان و ادب کے پیمانوں سے بہت زیادہ بالا ہے۔

حضراتِ گرامی!

اس کائنات کی تخلیق کا باعث سیدِ عرب و عجم، نورِ مجسم، شافعِ روزِ نشور، آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ کائناتِ عالم میں یہ تمام اہتمام صرف آپؐ کی ذاتِ عالی کی خاطر کیا گیا۔ سب سے پہلے آپؐ ہی کی تخلیق کی گئی۔

ارشادِ باری تعالےٰ ہے:۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ

"بے شک تمہارے پاس اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب بھی"

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشادِ گرامی ہے:۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ۔

"اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے میرے وجود کو نور بخشا"

علماءِ کرام، مشائخ عظّام، قابلِ احترام بزرگو اور دوستو!

آج کی یہ محفل ذکرِ رسولؐ کے لئے سجائی گئی ہے۔ وہ جو امام الانبیاء ختم المرسلین، ہادیٔ دو عالم، وجہِ تخلیقِ کون و مکاں، نیّرِ تاباں، مہرِ درخشاں

خواجۂ کیہاں، دلبرِ رحماں، ماہِ فروزاں، نازشِ قدسیاں، جانِ جہاں، ایمانِ جہاں، فخرِ جہاں، نورِ فاراں، محسنِ النساں، پناہ گاہِ جہاں، مونسِ دل شکستگاں، راحتِ قلوبِ عاشقاں، نورِ دیدہ مشتاقاں، مخلوق کے پاسباں، درد کا درماں، انیسِ دل فگاراں، رہبرِ رہرواں، قرارِ قلبِ پریشاں، سرورِ دوراں، عاشقِ یزداں، سرچشمۂ عرفاں، وارثِ ایماں، مرکزِ ایماں، مشعلِ ایماں، حاصلِ ایماں، محورِ ایماں، نجات کا ساماں، شہر یارِ مرسلاں، شاہِ رسولاں، کونین کے سلطاں، شاہِ شاہاں ہیں۔ آپؐ کا ہر عمل ایک مینارۂ نور، ہر فعل ایک شمعِ فروزاں، ہر ایک بات ایک دریائے معانی، ہر لفظ ایک نقطۂ دور رس اور ہر بول ایک پیغامِ نو ہے۔ آپؐ ہر لحاظ سے اور ہر معیار سے عظیم ترین ہیں جبھی تو خدائے لم یزل نے ایک طرف

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ٥

کہہ کر تعریف فرمائی تو دوسری طرف :۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥

کہہ کر پوری انسانیت کو آپؐ کی پیروی کا حکم دیا

رئیس بدایونی

منقبت

در مدح اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ

مدحتِ شانِ رسالت ہے اظہارِ رضاؒ — کلمۂ حق و صداقت صوتِ بیدارِ رضاؒ

وہ محبانِ رضا ہوں یا ہوں اغیارِ رضاؒ — سب کے محور بن گئے ہیں آج افکارِ رضاؒ

ہو رہے ہیں دوستو! اسطرح اذکارِ رضاؒ — آنکھ جیسے کر رہی ہو آج دیدارِ رضاؒ

جلسۂ میلاد ہو یا جلسۂ شانِ رسولؐ — جھوم کے پڑھتے ہیں علماء اب بھی اشعارِ رضاؒ

علم و فن کی بات کرتے ہو تو دیکھو شوق سے — وہ کتابیں جن میں ہیں محفوظ افکارِ رضاؒ

ہیں احادیثِ نبویؐ کے مرصّع آئینے — سیرت و کردار و صورت اور اطوارِ رضاؒ

نعت گوئی میں ہے پنہاں شانِ قرآن و حدیث — نعت کا دیوان ہے لاریب شہکارِ رضاؒ

مسلکِ حق و صداقت کیلئے ہر اک دلیل — دہریت کے واسطے عریاں تھی تلوارِ رضاؒ

اے رئیسؔ اسکو ملا حق کی ہدایت کا شرف
صدق دل سے بن گیا ہے جو بھی میخوارِ رضاؒ

منقبت

رئیس بدایونی

در مدح امام اہلسنت اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی

جذب ہے سینہ کے اندر نور فیضانِ رضا
ہیں نظر کے سامنے افکار ذیشانِ رضا

عارف و زاہد ولی سارے ثنا خوانِ رضا
زہد و تقویٰ علم و عرفاں ساز و سامانِ رضا

مجمع اہلِ صفا ہے بزمِ رندانِ رضا
جھومتے ہیں وجد کے عالم میں مستانِ رضا

بو العلائی نقشبندی قادری صوفی تمام
عطر مجموعہ ہیں جنت کا گلستانِ رضا

عالمانِ دینِ حق ہیں فیضیابِ معرفت
بالیقیں ہے بزم امکاں میں یہ فیضانِ رضا

دل منور سینے روشن اہلِ محفل فیضیاب
بزم میں ہے ضوفشاں شمعِ شبستانِ رضا

دے رہی ہے نجدیت ہر جا یہ ملت کو فریب
تولتے ہیں سنیت کو ہم بمیزانِ رضا

سنیت کا بول بالا ہے جہاں میں چار سو
علم کی دنیا پہ گویا ہے یہ احسانِ رضا

لاتے ہیں پھولوں کے گجرے خلد سے قدسی تمام
قصرِ جنت کا حسیں نقشہ ہے ایوانِ رضا

آج ہے یہ آلِ احمد کی صحبت کا اثر
بزم میں حاضر ہیں سارے مرتبہ دانِ رضا

لطفِ حق سے ہیں جو میر میکدہ میر نجف
ہیں رئیس بزم رنداں میگسارانِ رضا

شہزادی اگربتی
خوشبوؤں کی شہزادی
شہزادی اگربتّی
شہزادی
زعفرانی
اگربتی
بنارس ٹوبیکو کمپنی
پوسٹ بکس نمبر ۱۰۶۷۰ - کراچی ۱۶